رباعیات
مولانا اکبر الہ آبادی

از تصنیفات

عالیجناب لسان العصر خان بہادر مولانا سید اکبر حسین صاحب اکبر
الہ آبادی مرحوم و مغفور

مرتبہ

صاحبِ ق [illegible] شیخ الٰہی بخش [illegible] لاہوری

باہتمام

شیخ جان محمد الٰہی بخش تاجرانِ کتب لاہور

بنگلہ ایوب شاہ اندرون شیرانوالہ دروازہ

۱۹۲۸ء

Checked 19[illegible]
STATE CENTRAL LIBRARY HYDERABAD DN
CHECKED 19[illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible] کرم اللہ وجہہ [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہندوستان [illegible] کتب [illegible]

[illegible] کتب احادیث [illegible] سیر [illegible] رجال اور تاریخ سے مرتب کیا ہے

[illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار

[illegible] اس کتاب کی فہرست مضامین [illegible]

[illegible] صفحات [illegible] ۲۶ [illegible] ۲۵ قیمت مجلد [illegible] مجلد [illegible] -

مراۃ العارفین فی ملتمس زین العابدین مترجم اردو یہ کتاب عربی میں تصنیف لطیف جگر گوشہ رسول مقبول احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلعم و نور دیدہ علی مرتضیٰ جناب سید الشہداء مقبول بارگاہ کبریا حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہے۔ اور منازل سلوک میں اعلیٰ پایہ رکھتی ہے جسکو حضرت سید الشہداء نے اپنے نور العین امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر تحریر فرمایا تھا جس کا ایک قلمی نایاب نسخہ جب ہمیں دستیاب ہوا۔ تو ہم نے تاکہ اس نعمت غیر مترقبہ سے کوئی حضرت کا نام لیوا خالی نہ رہے۔ اس کو عمدہ کر کے بین السطور اردو ترجمہ کیا ہے شائع کیا ہے قیمت صرف ۱۲/

خلافت اور اسلام (نظم ونثر) مصنفہ ڈاکٹر سر اقبال جسمیں بتایا گیا ہے۔ کہ جمہوریت اسلام اور آئین انتخاب خلیفہ مذہب و سیاسیات کا مشترک و واحد مطمح نظر ہے قیمت ۳/

نظم درد دل - علامہ ڈاکٹر سر اقبال پڑھئے اور درد دل میں ہاتھ بٹائیے قیمت ۲/

رباعیات حکیم عمر خیام معہ حالات حکیم مرحوم شروع کتاب میں حکیم مرحوم کے نہایت صحیح و مستند اور دلچسپ حالات دیئے گئے ہیں جن سے علامہ شبلی مرحوم کی کتاب شعرائے عجم تک خالی ہے۔ رباعیات حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب وار درج کی گئی ہیں۔ ہر رباعی درد کی پوری تصویر ہے۔ اور نشتر کی مانند دل میں چبھتی ہے۔ آخر کتاب میں حکیم مرحوم کا گیارہ اشعار کا ایک تڑپا دینے والا فارسی قصیدہ درج کیا گیا ہے۔ جو حکیم مرحوم کی دیگر طبع شدہ رباعیات میں درج نہیں کاغذ وغیرہ عمدہ قیمت باوجود ان خوبیوں کے

عُذرِ گناہ

صحت نامۂ رُباعیات مولانا اکبر الہ آبادی

نمبر صفحہ	سطر نمبر	مصرعہ	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	سطر نمبر	مصرعہ	غلط	صحیح
۳	۵	اول	میں کیا	میں ہیں کیا	۳۷	۷	اول	وصٹائی	ڈھٹائی
۳	۶	اول	کتے	کہتے	۳۸	۱	دوم	فرفت	فرقت
۵	۱۶	دوم	ہم نے سب	ہم نے بھی سب	۳۸	۱۰	اول	سرتیں	مسرتیں
۶	۳	دوم	آپس ہی کے	آپس ہی کی	″	۱۲	دوم	گر	نگہ
۷	۵	اول	رئیسوں کی ایچ	رئیسوں کی ایچ پیچ	۳۹	۵	دوم	کو رکھا	کو
-	-	-	- - -	- - -	″	۸	اول	بمجد	بجمد
۸	۱۴	دوم	ساتھ رہتا	ساتھ بہتا	۴۰	۴	دوم	دل میں	دل کو
۹	۱۵	اول	قیسر	فیر	″	۵	اول	بخنت	بحث
۱۲	۲	اول	تو نہیں	تو ہیں	″	۸	اول	سن وہ	سُن کردہ
۱۵	۱۰	اول	وثا	وفا	۴۱	۶	اول	وحق	یا حق
۱۹	۱۶	دوم	خرابے بسیار	خرابۂ بسیار	۴۲	۸	اول	ان عا بیزلیوں	ان کی ستیزیوں
۲۲	۱۰	دوم	یا نہیں	یا پہن	″	۱۴	اول	اکس	کس
۲۳	۱۳	″	بخوش وخروش	بجوش وخروش	″	۱۴	دوم	لومی	لُومے
۲۴	۱۵	″	امروا قعی	امر ہے واقعی	۴۴	۲	دوم	پوا پینے یارو	لوا سے یارو
۲۵	۵	اول	بات	مات	″	۳	دوم	یا	لیا
۲۶	۵	دوم	بیچ کر	بیچ کے	″	۴	دوم	المت	ظلمت
″	۱۶	اول	انس لو	انس کو	″	۵	اول	ہو یا نہ منو	منو یا نہ منو
۲۷	۶	دوم	رو پی	رو بی	۴۶	۸	اول	بنا سکتے	بنا سکے
″	۱۲	دوم	دولت	ملت	″	۱۱	اول	دیگھی	دیکھی
۲۹	۱۳	اول	بھا اک	تھا کل اک	۴۷	۱۰	اول	چھو	چھوڑ
۳۱	۹	اول	خصال یہ	خصال ہیں یہ	۴۹	۵	اول	کو سلام	کو تم سلام
″	″	دوم	روش کے	روش کی	″	۱۰	دوم	قوال کو	قوال کی
″	۱۰	اول	کو	×	″	۱۶	اول	دفت	وقت
″	۱۲	دوم	کیا سمجھیں	کیا وہ سمجھیں	″	۱۶	دوم	سے سب	ہے سب
۳۲	۱	دوم	سب	سبب	۵۰	۹	دوم	پری	پیری
۳۲	۲	دوم	سے اٹھے	سے اب اُٹھے	″	۱۶	دوم	بات کو	بات کی
″	۱۳	اول	بڑا	بُرا	۵۱	۱	دوم	نہ سہین	نہ سہی
۳۴	۵	دوم	ب	اب	″	۸	اول	غضبت ہے	غضب یہ ہے
۳۴	۱۰	دوم	میں	ہیں	۵۳	۶	دوم	گمر	کمر

صفحہ نمبر	سطر نمبر	مصرعہ	غلط	صحیح
۵۴	۸	اول	لن	کن
〃	۱۴	دوم	خوں انتظامی	خوش انتظامی
۵۵	۵	دوم	چھڑا	چھُرا
〃	۸	اول	چھڑی	چھُری
〃	۱۴	دوم	ہے فقط	ہے تو فقط
〃	۱۵	〃	پیمانہ ئے	پیمانۂ مے
۵۷	۵	اول	آک ہوتی	ایک ہوئی
〃	۷	دوم	عرفشیکہ	عرفشکہ
〃	۹	اول	یورکی	یو۔پی
〃	۱۳	〃	ہم ہیں	ہم ہیں
〃	〃	دوم	خستہ خوئی	خجستہ خوئی
۵۸	۳	اول	مطلب کی بات	مطلب کی
〃	۶	دوم	پاؤ	پایا
۶۱	۴	اول	اور صانع	اے صانع
〃	۷	اول	خیالِ قام	خیالِ خام
۶۲	۳	اول	اِدھر سے	اِدھر ہے
〃	۳	〃	حسن قافی	حسن قوافی
〃	۸	دوم	معافی	معانی
۶۴	۱	اول	تجھپر	تجھپر
۶۵	۱۵	دوم	پالیسی اڑ جائے	پالیسی میں اڑ جائے
۶۶	۱۶	دوم	ستم	مُسلّم
۶۷	۸	〃	پڑھی جاتی	پڑھی جاتی ہے
۶۸	۲	〃	برشغل	بجز شغل
۶۹	۷	اول	آتی ہے	آنی ہے
۶۹	۱۳	دوم	خوب برجستہ	خوب و برجستہ
۷۰	۳	اول	بڑا ہے	پڑا ہے
〃	۱۴	اول	یہ	پہ
۷۴	۱۱	〃	کمجھیے	سمجھیے
۷۵	۱۳	〃	سلوتو	سلونو
۷۸	۱۰	〃	کرڑیوں	گڑیوں
۷۹	۱۲	دوم	نہیں	بھی
۸۱	۱۴	〃	ہے اس	ہے اور اس
〃	۱۶	اول	کرڑہی	کر رہی ہے
۸۲	۶	〃	خوشی	عوش
〃	۹	〃	جرح	حرج
〃	۱۱	〃	لکھی	کہی
۸۴	۲	〃	نہیں	ہنسیں
〃	۷	〃	جسے	جیسے
۸۵	۴	دوم	و	وہ
۸۵	۹	اول	مٹہ خور	مردہ خور
۸۶	۱۳	〃	پھیل کر	چھیل کر
۸۷	۱	دوم	ناتوالی	ناتوانی
۸۸	۳	اول	بخثیں	بحثیں
〃	۱۱	〃	خیالِ قام	خیالِ خام
۸۹	۱۶	〃	ہے بہت	ہے عیب بہت
۹۰	۱۴	〃	لعو لہب	لہو ولعب

نوٹ (۱) کل رباعیات ۶۹۸ ہیں۔ تین رباعیات دوبارہ درج ہو جانے کے باعث انکی تعداد ۷۰۱ ہوگئی ہے۔ صفحہ ۵ کی رباعی نمبر ۶۔ صفحہ ۱۴۔ نمبر ۳ پر دوبارہ درج ہے۔ اور علی ہذا القیاس صفحہ ۱۷ پر رباعی نمبر ۶۔ صفحہ ۷۷ پر اور صفحہ ۸۶ پر رباعی نمبر ۳۔ صفحہ ۹۰ پر دوبارہ درج ہے۔ ناظرین درست کر لیں۔

نوٹ (۲) رباعیات کے اوزان ۲۵ ہیں۔ مگر اس کتاب میں بہت سی رباعیاں ایسی بھی نکلیں گی جن کو ان مقررہ اوزان کے مطابق رباعیات نہیں کہا جا سکتا۔ مگر چونکہ مولانا اکبر مرحوم اشعار کہنے میں اپنی طرز کے خاص موجد ہیں۔ اس لئے ردیف قافیہ کے باعث ان کو رباعیات میں درج کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ ماہران علم عروض میری اس غلطی کو معاف فرما کر چشم پوشی سے کام لیں گے۔

دیباچۂ مرتّب

۱۹۰۹ء کا ذکر ہے کہ کارپردازانِ رسالہ مخزن مرحوم نے جناب لسان العصر خان بہادر مولنا سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی پنشنر جج و آنریری فیلو الہ آباد یونیورسٹی کی صرف اخلاقی رباعیات کا ایک مجموعہ خورد تقطیع پر شائع کیا تھا۔ جو کئی سال سے ختم ہے۔ ۱۹۲۱ء میں جب فخر ملک وملت مولنا صاحب موصوف نے وفات پائی۔ تو مجھے از سرِ نو ان کی تمام رباعیات کی تدوین و جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ میں ابھی اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہی تھا۔ کہ ۱۹۲۳ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے رباعیات مولنا اکبر امتحان انٹرنسِ اردو میں بطور نصاب تعلیم داخل کر دی گئیں۔ اور طلبا کی طرف سے ان کی مانگ شروع ہو گئی۔ اور دوسری طرف تمام علم دوست اصحاب کو بھی ان کا شائق پایا تو جیسا کچھ مجھ سے بن پڑا۔ رباعیات کا یہ نادر تحفہ طلبا اور عام شائقین کی تفنن طبع کے لئے علمی ضیافت کے دسترخوان پر چن دیا ہے۔ اب اِن کا فرض ہے۔ کہ خود سیر ہو کر کھائیں اور اپنے احباب کو بھی کھلائیں۔ بالفاظ دیگر اُس کی قدر دانی کریں۔ اور بذریعہ اشاعت قدر دانی کا ثبوت دیں +

رباعیات کیا ہیں اور کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا اُس شخص کا کام ہے۔ جو آپ کی نئے رنگ کی عالمانہ اور لاثانی شاعری پر جس نے آپ کو لسان العصر مشہور کر دیا ہے مستقل تبصرہ کرے۔ رباعیات کے ایک ایک مصرعہ کے اندر جیسا کہ حقیقت شناس طبائع خود معلوم کر لینگی۔ زمانے کی رفتار کے مطابق خیالات کا ایک گنج بے پایاں مخفی ہے +

کہیں حکمت و ظرافت کی چاشنی ہے۔ اور کہیں قدیم و جدید تہذیب و معاشرت سموئی ہوئی ہے۔ وہ اپنے اشعار میں حضرت شیخ سعدی رحؐ کے مقولہ زمانہ با تو

نہ نسازد تو بازمانہ بساز پر پورے پورے پابند نظر آتے ہیں۔ آپ مغربی تعلیم و تہذیب کے حامی ہیں۔ مگر خذما صفا ودع ماکدر کی حد تک۔ مغرب کی بادہ پرستی اور بے اعتدالانہ روش کے سخت مخالف ہیں۔ اور قومی خصائص و اخلاق اوضاع کی محافظت کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا کے ہر واقعہ کو مشرقی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ظریفانہ انداز بیان اور مذاقیہ رنگ میں بات ایسی اچھوتی اور عمدہ کہتے ہیں۔ کہ نوجوان سے لیکر بوڑھوں تک پڑے چٹخارے لیتے اور مرحبا اور جزاک اللہ کہہ اٹھتے ہیں ۔

رباعیات ردیف وار درج کی گئی ہیں اور تعداد میں ۱۰۷ ہیں۔ مگر پھر بھی مجھے یقین ہے۔ کہ کئی ایک رباعیات اندراج سے رہ گئی ہیں۔ اگر وہ دستیاب ہوگئیں اور اللہ تعالے نے اپنے فضل و کرم سے اس کے دوسرے ایڈیشن کی توفیق دی۔ تو اس میں ردیف وار شامل کر کے کتاب کو ظاہری و باطنی خوبیوں میں اور بھی زیادہ دیدہ زیب و دلپذیر کر دیا جائیگا۔ فقط

لاہور۔ امام منزل
مورخہ ۳۱۔ مارچ ۱۹۲۴ء

بندہ الٰہ بخش
(سابق متعلم اسلامیہ کالج
لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رباعیات لسان العصر مولانا اکبر الہ آبادی

رباعی

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا — ہمیشہ ہمنے یہاں انقلاب ہی دیکھا
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانے میں — کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

ایضاً

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا — تری نظر نہ رہی وہ مرا وہ دل نہ رہا
ملا جو خانۂ تن خاک میں تو ملنے دو — یہ رنج کیا ہے زندانِ آب و گل نہ رہا

ایضاً

دنیا کے مباحث پہ مری نظروں میں کیا — اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا
تو کئے اگر وقعتِ عاشق نہیں دل میں — یہ کون سی سیکھی ہے زبان آپنے یتین کیا

ایضاً

ستم دور گردوں کے سہ جاؤں گا — جو گزرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا
دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ — وگرنہ یوں ہی مر کے رہ جاؤں گا

ایضاً

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا — مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا
ذرا تو بیچنے شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ — انہیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

ایضاً

خوشی سے باخبر مٹنے پہ راضی ہو نہیں سکتا — خیال دین و عزت امر راضی ہو نہیں سکتا
عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو — امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

رباعی

اس دل میں ہے کسی زلفِ دوتا کا
سودا مرے دیوانے کو ہے دامِ بلا کا
انکارِ وصل ان کے لبوں پر یہ نہیں ہے
پیغام ہیں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

ایضاً

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگین یاران وطن چھوٹا
وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں بسمل!
نہ بیتابی گئی مری نہ اُن کا بانکپن چھوٹا

ایضاً

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا!
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا!
آنکھیں تو بے شمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا!

ایضاً

اونچا نیت کا اپنی زینہار رکھنا
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر!
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

ایضاً

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

ایضاً

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
عیاشی ہے بدی کے پہیئے کا دھرا!
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بری
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی برا

ایضاً

ہر چند محلِ انقلابات رہا!
گھٹنے بڑھنے کا ہیچ دن رات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی
ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا

ایضاً

آزاد سے دین کا گرفتار اچھا!
شرمندہ ہو دل میں وہ گنہگار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہے اک خصلت بد
واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

رباعی

انقلاب جہاں کو دیکھ لیا !!
گل کلی کھل کے ہوگئی تھی پھول !!
حُبِ دُنیا سے قلب پاک ہوا!
پھول کمھلا کے آج خاک ہوا!

ایضاً

تھا سر میں کمال وہ تو سلطان بنا
لذت طلبی سے نفس رندی پہ جھکا
تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

ایضاً

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر!
چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا!
قسمت ہی نے ہم کو ہر طرح سے لوٹا

ایضاً

رسوا وہ ہوا جو دست پیمانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
لپکا جو سائے پر وہ دیوانہ ہوا
محروم اُدھر اِدھر سے بیگانہ ہوا

ایضاً

مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبر
مکتب میں سر سخن فروشی پایا
لیکن اک عالم خموشی پایا

ایضاً

ابتداً عالم ہستی میں میں بیہوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے
ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
بعدازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

ایضاً

یہ بو مرے گھر نہ اے شرابی پھیلا!
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر دم ترے منہ سے ہے نکلتا مے لا

ایضاً

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا!
حاکم نے کہا نہ بولو ان سے ہرگز
بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
ہم نے سب سے بولنا چھوڑ دیا

رباعی

میرے نزدیک یہ پنجاب کا بلوا ہی بُرا
ساتھ ہی اس کے علیگڈھ کا چلوا بھی بُرا
آپ اظہار وفا کیجئے تمکین کے ساتھ
لیٹ جانا بھی بُرا ناز کا جلوا بھی بُرا

ایضاً

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا !!
آپس ہی کے خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر سے روک دینے کیلئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایضاً

بس ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا
یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا
کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت
میسر ہیں تجھے دو روٹیاں بس گھر کا اک کونا

ایضاً

نہ حرف شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا
ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا
خدا کیواسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا

ایضاً

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا !
قومی خصلت کا سر سے اٹھایا سایا
کہتے تھے ولد کو لوگ سِرٌّ لابیہ[1]
سِرٌّ للماسٹر کا اب وقت آیا !!

ایضاً

بھائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم !
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

ایضاً

تجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گرمجوشی کا
تو پھر کیا لطف ہے اے ہم نفس اس بادہ نوشی کا
تکلف سے جواب اُسنے دیا سنکر کہ اے اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

ایضاً

سید کو فلک نے تھمنے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ جمنے نہ دیا !
ملت کی شکست میں مدد دی کامل !
بننے لگی قوم جب تو نے بننے نہ دیا

[1] الولد سرٌّ لابیہ حدیث ہے یعنی جیسا باپ ویسا بیٹا

رباعی

گھر میں ہمیں چرخ نے ٹہلنے نہ دیا!
باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا!
کالج نے بٹھا دیا جو مانند شجر!
کچھ پھول چلے بھٹے اس نے پھلنے نہ دیا

ایضاً

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتہ کو کون سمجھے بندے کے سوا

ایضاً

ریسوں کی اپیچ ہے یہ ترانہ ہے نہ شملے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بوٹا ہے گملے کا
ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا انہیں چکدے یہ بھی اک طرہ ہے شملے کا

ایضاً

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا!
خود ہم نے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی[1] نے
نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

ایضاً

اسمال[2] نہیں گر بیٹ[3] ہونا اچھا!
دل ہونا بُرا ہے پیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونو بیکار
انسان کو گر بیچوایٹ[4] ہونا اچھا

ایضاً

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
کہتا نہیں کوئی کچھ بھی پڑھ پڑھ کے سوا
پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول۔ بڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڈھ کے سوا

ایضاً

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
سب ہوئے اندوہگیں خونِ جگر سب نے پیا
ہاں جو شاعر تھے انہوں نے نالۂ موزوں کیا تھا
داغِ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا!

ایضاً

اشارہ ہے یہی بادِ صبا کا
چمن اک رنگ ہے اُس کی ادا کا
نسیمِ صبح گاہ ہی وجد میں ہے
عجب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

۱؎ مولوی مہدی علیخاں مرحوم رئیس جائیس اندر وکیل الہ آباد +
۲؎ انگریزی لفظ Small بمعنی چھوٹا +
۳؎ انگریزی لفظ [illegible] بمعنی بڑا
۴؎ ڈگری یافتہ انگریزی یونیورسٹی

رباعی

عجیب برق بلا تھا نظارہ اُس مس کا
وجود ہی نہ رہا دل میں دین کے حس کا
نسیم وگل کے تعلق پہ یہ نہیں غماز
خدا زیادہ کرے نورِ چشم نرگس کا

ایضاً

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا
ہمیشہ مجھ پہ یہ کم بخت ہوش بار رہا
نشانِ شوکتِ انسان بنے تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

ایضاً

بانکپن دل میں عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا
کی ترقی تو بہت پر وہ میاں پن نہ رہا
لان ٹینس سے بن گئے شاہی گلزار
ساتھ سبزے کے ہجوم گل و سوسن نہ رہا

ایضاً

تیغیں نیام میں ہیں انداز جنگ بدلا
خاموش ہیں زبانیں محفل کا رنگ بدلا
مائی کو پوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے
اسٹیمروں سے مل کر انداز گنگ بدلا

ایضاً

دنیا سے ہیں نے کچھ بھی نہ چاہا
دل ہی نہ اُبھرا جی ہی نہ چاہا!
اس میں برائی کیا تھی جو ہیں نے
احیائے رسمِ دیرینہ چاہا!

ایضاً

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

ایضاً

لیلیٰ نے سایہ پہنا مجنوں نے کوٹ پہنا
ٹوکا جو ہیں نے بولے بس بس خاموش رہنا
حسن و جنون بدستور اپنی جگہ ہیں لیکن
ہے لطف بحرِ ہستی فیشن کے ساتھ بہنا

ایضاً

مسلم ہے مگر بات نبی کی نہیں سنتا
لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش
آئیں میں تو اب کوئی کسی کی نہیں سنتا

رباعی

اس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھے گا !
جو کچھ دکھلائے گا خدا - دیکھے گا !
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے
بے حس ہوگا جو انتہا - دیکھے گا !

ایضاً

اثباتِ خدا کو منطقی اٹھ نہ سکا !!
خاکِ حیرت سے ذہن ہی اٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری !!
ثابت ہونے کا بار بھی اٹھ نہ سکا

ایضاً

بوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا
موسم بدلا جنون ہی وہ نہ رہا !
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر
جب اپنی رگوں میں خون ہی وہ نہ رہا

ایضاً

ہمکو ابرو کی کجی نے مارا !
شیخ صاحب کو کجی نے مارا
خانۂ دین ہوا القصہ تباہ !
آئی آواز کہ انا للہ !!

ایضاً

فتحِ عرب پہ گو ہے تمہیں شوقِ ناز کا
بہتر ہے اُس سے ذوقِ درود و نماز کا
گردن اٹھائے نہ بہت پالٹیکس میں
مسجد میں اب ہے کام جبینِ نیاز کا

ایضاً

وقت ہی پر ہر ایک کام اچھا
آسمان کا پروگرام اچھا
قرب ہے جن کو تخت شاہی سے
دور ہی سے انہیں سلام اچھا

ایضاً

کرتے نہیں کوئی ان میں ذکرِ مولے
ہے مانگ روپے کی غل ہے دس لا سولا
مجلس ہے یہی تو اس سے عزلت بہتر
دنیا ہے یہی تو ترکِ دنیا اولے

ایضاً

قوم پر ممبری کا قبضہ ہوا !
کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا
شیخ جی مر گئے کمیٹی میں !!
غل مچا خاتمہ بخیر ہوا

رباعی

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا!
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
مسلم جو مثالِ بزمِ جم لے تو کیا
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

ایضاً

گذرا ہے میری نظر سے سب کا جلوا
کہتا ہے عجم۔ عجم میں ہے جم موجود
سب سے بہتر روز و شب کا جلوا
کہہ دو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوا

ایضاً

غم کیا جو آسمان ہے مجھ سے پھرا ہؤا
مغرب نے خوردبین سے کمر اُنکی دیکھ لی
میری نظر سے خود ہے زمانہ گرا ہؤا
مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہؤا

ایضاً

خانۂ امید آتا ہے نظر اُجڑا ہؤا !
کیا کسی بزمِ طرب میں ہوں میں اے اکبر شریک
دل کو حیرت ہے کہ یا اللہ کیا تھا کیا ہؤا
آنکھ بھی روئی ہوئی ہے دل بھی ہے تڑپا ہؤا

ایضاً

بزمِ ہستی میں مرے پیشِ نظر کیا کچھ نہ تھا
بے تعلق منزلِ ہستی سے گذرا دل میرا
دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا
اُس کی نظروں میں سزاوار تمنا کچھ نہ تھا

ایضاً

نہیں ہے کام زباں کا کچھ اب دعا کے سوا
کبھی کرینگے نہ وہ میرے دل سے ہمدردی
نظر کسی پہ نہیں ہے مری خدا کے سوا
کوئی علاج نہیں ترکِ مدعا کے سوا

ایضاً

میں کیا کہوں اُسے اور کیا کروں گلا اُس کا
اگرچہ دل کو ہے سودا اُسے بُرا نہ کہو
مجھے ہنوز پتہ ہی نہیں ملا اُس کا
کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلہ اُس کا

ایضاً

میں نام سعی کا اپنی خدا نہ رکھوں گا
ادائے شکر تو سمجھونگا فرض وعدوں پر
جو بن پڑیگا مگر وہ اٹھا نہ رکھوں گا
امید آپ سے لیکن ذرا نہ رکھوں گا

رباعی

خدا طالب نہیں تم سے مقفیٰ بات کرنے کا
خلاصہ ہے یہی ساری شریعت اور حکمت کا
وہ اس سے خوش ہے جسکو شوق ہے خیرات کرنے کا
وہی بندہ ہے اچھا شوق ہو جسکو عبادت کا

ایضاً

کل کی امیدوار ہے دنیا !
بے خبر رکھتی ہے حقیقت سے !
عالم انتظار ہے دنیا ! !
ہوش پر میرے بار ہے دنیا ! !

ایضاً

سمجھا تھا میں کہ وقت جو آیا گذر گیا
کہتا ہے جسکو وقت ترا ہی ظہور ہے
کہتا ہے فلسفہ کہ تجھی میں ٹھہر گیا
دامانِ عمر تیری ہی ہستی سے بھر گیا

ایضاً

طرز عمل پہ ہم نے کبھی غور کیا کیا
ہم سے گناہ گار کی قوت جو چھین لی !
جو نفس نے کہا وہ کیا اور کیا کیا
بیشک خدا نے رحم کیا جور کیا کیا !

ایضاً

پولیٹیکل سروں سے ہرگز نہ ساز کرنا
موسم جو ہو مخالف ہرگز نہیں مناسب
دہ چند ہے جو چاہے بلبل کو باز کرنا
منقار کو قرینِ آہنگ ناز کرنا !

ایضاً

مٹی کو آگیا ہے روحوں کو پھانس لینا
ہوش و خرد کا نزلہ تکلیف دے رہا ہے
سب کے گلے پڑا ہے دن رات سانس لینا
جائز سمجھ لیا ہے یاروں نے کھانس لینا

ایضاً

بتانِ دہر سے مجھ کو تمتع ہو نہیں سکتا
محیط دہر میں کتنا خطوں کا ہے غلط راہی
خلوص امکان سے باہر تصنع ہو نہیں سکتا
جو رخ ہو جانبِ مرکز تقاطع ہو نہیں سکتا

ایضاً

تنگ دنیا سے دل اس دورِ فلک میں آگیا
آسمان کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے
جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا
عرش باقی تھا سو وہ بھی درِ شک میں آگیا

رباعی

واقف کبھی خوشی سے مرا دل نہ ہو سکا — لیکن یہ غم ہی کیا ہے کہ غافل نہ ہو سکا
تو نہیں سہہ کے دیر میں پاتے ہی کچھ عروج — افسوس ہے کہ دل متحمل نہ ہو سکا !

ایضاً

فراغِ طبع ہمکو اپنے ہی غم سے نہیں ملتا — کسی سے ہم نہیں ملتے کوئی ہمسے نہیں ملتا
کیا ہے ذوقِ ترکِ ماسوا نے مجھکو دیوانہ — دل اپنا اس سے ملتا ہے جو عالم سے نہیں ملتا

ایضاً

مجھے آتا نہیں اچھی طرح سے اظہارِ غم کرنا — مگر کچھ منحصر اس پر نہیں اُس کا کرم کرنا
رہِ عرفان میں حسِ حظ و الم کا نا مناسب ہے — پسندِ طبعِ اکبر ہے نہ خوش رہنا نہ غم کرنا

ایضاً

چلنا جو میں چاہوں تو قدم اٹھ نہیں سکتا — لکھنے کی ہو خواہش تو قلم اُٹھ نہیں سکتا
ہو عزمِ فغاں کا تو زباں ہل نہیں سکتی — جبکا جو رہوں بارِ الم اُٹھ نہیں سکتا

ایضاً

فلک سے شکوۂ جور و ستم کیا — زمیں چکر میں جب خود ہے تو ہم کیا
ہمیں دنیا میں بحثِ بیش و کم کیا — زیادہ خود نہیں ہے وہ تو ہم کیا

ایضاً

جو مرغِ صبح کی آواز کو بانگِ اذاں سمجھا — اسے بیدار دل نے دہر کا رازِ نہاں سمجھا
جو اپنی زندگانی کو فقط اک امتحاں سمجھا — اُسی نے راحت و تکلیف کا رازِ نہاں سمجھا

ایضاً

تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش کا دن کچھ نہ تھا — ہم نے سب کچھ اُس کو سمجھا تھا وہ لیکن کچھ نہ تھا
طالبِ دنیا کو وقتِ نزع کیوں ہوتی نہ یاس — تھا جو ظاہر ہو گیا وہ ختم ۔ باطن کچھ نہ تھا

ایضاً

پائے رفتار ہو جاتے ہیں ہم میں پیدا — رہنما بننے کو ہوتی نہیں آنکھیں پیدا
اُن نگاہوں سے تعلق کی یہ جلدی کیا ہے — حضرتِ دل ابھی کچھ خون تو کرلیں پیدا

رباعی

یہ بت مجھے نہیں دیتے امان شکرِ خدا
خدا کی راہ میں جاتی ہے جان شکرِ خدا
اجل کے شوق میں پروائے زندگی نہ رہی
نظر میں ہیچ ہے سارا جہان شکرِ خدا

ایضاً

موسم گل ہی سہی چاک گریباں اتنا
کل کچھ اس سے بھی سوا آج تو جی ہاں اتنا
برہمی زلف مصیبت کی ہے حسن رُخِ عشق
قدرداں دل ہے تو پھر کیوں ہے پریشاں اتنا

ایضاً

اُس کو نہ پا سکا مگر اس غم میں رو سکا
یہ بھی ہے اُس کا فضل کہ اتنا تو ہو سکا
کوشش یہ تھی خودی کو میں گم کردوں عشق میں
دقتِ یہ ہوگئی کہ فقط عقل کھو سکا !

ایضاً

خرد سے انکشاف رازِ ہستی ہو نہیں سکتا
یہ امر اس راز کی عظمت کو لیکن کھو نہیں سکتا
جو ہے آرام دہ بستر تو دروازہ شکستہ ہے
مصیبت دیکھئے نیند آ رہی ہے سو نہیں سکتا

ایضاً

مرنے والا مر گیا اور رونے والا رو چکا
وائے بر ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا !
اب جنوں سے کام لونگا میں رہِ تحقیق میں
عقل کے پیچھے تو اتنا وقت اپنا کھو چکا !

ایضاً

اب غم کا بھی حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا
ہوں مضمحل اتنا کہ بہت رو نہیں سکتا
افسوس کہ راحت تو مجھے مل نہیں سکتی
اور جان بلا حکمِ خدا کھو نہیں سکتا

ایضاً

ہند میں بُت کو چاہنا ہی پڑا
برہمن سے بنا ہنا ہی پڑا !!
اس قدر درد ہو تو ضبط کہاں !
دل کو آخر کراہنا ہی پڑا !!

ایضاً

مانا کہ معذرت سے وہ رو براہ ہوگا
اس سوءِ ظن میں لیکن کب تک نباہ ہوگا
بے داد بت کو اکبر سہتا ہے بے تردد
کوئی تو ہے کہ جس سے وہ داد خواہ ہوگا

رباعی

عشق میں حسنِ بیان وجہ تسلی نہ ہوا — لفظ چمکا مگر آئینہ معنی نہ ہوا!
دل میں کہتے تھے کہ یہ ہوگا وہ ہوگا لیکن — کٹ گئی عمر امیدوں ہی میں کچھ بھی نہ ہوا

ایضاً

خیر اُن کو کچھ نہ آئے پھانس لینے کے سوا — مجھکو اب کرنا ہی کیا ہے سانس لینے کے سوا
تھی شب تاریک چور آئے جو کچھ تھا لے گئے — کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا

ایضاً

ابتداءِ عالمِ ہستی میں میں بے ہوش تھا — ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے — بعد ازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

ایضاً

شوق اگر یہ ہے کہ ہوتی رہے صحبت پیدا — بے تکلف نہ کیا کیجئے رغبت پیدا
گھر میں احساس ضرورت ہو تو بازار کو جا — کر نہ بازار میں جا کے ضرورت پیدا

ایضاً

پیٹ سے دل نے کہا درجہ ہمارا ہے بڑا — ساغر جمشید ہم ہیں تو ہے بنئے کا گھڑا
پیٹ بولا اصطلاحیں تیری سب منسوخ ہیں — ہم ہیں اب غربی گدام اور تو ہے شرقی جھنپڑا

ایضاً

کہا بقراط سے دنیا میں کیوں آیا تو اے دانا — کہا اس نے کہ میں لایا گیا مجھکو پڑا آنا
کہا کیونکر بسر کی عمر بولا ساتھ حیرت کے — کہا کیا جانتا بولا کچھ نہیں جانا یہی جانا

ایضاً

جس سے میری زندگی تھی مر گیا کیوں مر سکا — چرخ نے یارب ستم مجھ پر کیا کیوں کر سکا
واقعات جانگزا کا کیوں ہوا ایسا وقوع — کیوں نہ میری آہ سے قانونِ فطرت ڈر سکا

ایضاً

غرور توڑ کے منطق کو سست کر دے گا — زمانہ آپ ہی اس کو درست کر دے گا
بلا پہ صبر کرو تم خدا خدا میں رہو! — خدا ہی صبر کی ہمت کو چست کر دے گا

رباعی

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب
مالک دولت کے ۔ مالک تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشم تحقیق اکبر
بے بس ہیں سب ۔ خدا کے محتاج ہیں سب

ایضاً

وہ دست درازیوں سے کب ہے تائب
ہے حافظِ دین یہ شمع فکر صائب
رخصت ہو جو علم دین تو پھر دین بھی جائے
گُل ہو جو چراغ ابھی ہو بگڑی غائب

ایضاً

ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
بیگانوں کے واسطے ہے اک حد ادب
ممکن ہو اگر تو اُس کو قائم رکھو !!
عزت کے نشان اور تو مٹ گئے سب

ایضاً

سوجھا نہیں خود غرض کو آئین صواب
جتنا چھوڑو گے ہم کو تم ہو گے خراب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
دنیا میں حقارت اور عقبےٰ میں عذاب

ایضاً

زمزموں سے کیوں نہیں ہے تجھکو سیری عندلیب
کون سنتا ہے صدا گلشن میں تیری عندلیب
پارک میں انکے دیا کرتا ہے اسپیچ وُنا !
زاغ ہو جائیگا اک دن آخر یہ بھی عندلیب

ایضاً

مشرق پہ ہے گو کہ ضعفِ پیری غالب
ہر چند کہ ہے غمِ اسیری غالب
مستی اکبر کی رقص مِس سے نہ رکی
بھونرے پہ نہ ہو سکی بھبھیری غالب

ایضاً

میری طرف سے سارا جہان بدگمان ہے اب
آزادیٔ کلام وہ مجھ میں کہاں ہے اب
رکھتی ہیں پھونک پھونک کی باتیں مری قدم
تیغ زبان نہیں ہے عصائے زباں ہے اب

ایضاً

جلوہ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
لا الٰہ اور قل ہو اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چپ
بحث اُس کی ذات میں کیونکر رہا ہے فلسفی
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چپ

رباعی

محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ !
سارے عملے کے ناز بردار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار !
معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ

ایضاً

کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت
ساحر کم ہیں ہیں گے صیاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اے اکبرؔ
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

ایضاً

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہد الست
نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
کیا زید بکر پہ معترض ہونا ہے
اک گور پرست ہے تو اک زر پرست

ایضاً

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت !
ساتھ اُس کے وہ لطف زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبرؔ
ہم کو بھی کرے جہان فانی رخصت

ایضاً

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
خدا گواہ کہ پکی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی نہیں اُن سے جو ہیں خود محتاج
طلب مدد کی ہے بالصبر والصلوٰۃ اے دوست

ایضاً

تحریکِ ضرورتِ معشیت ہے بہت
خرقے کو بھی اب خیال خلفت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

ایضاً

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت ! !
ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت
اطفال کو ناز ہے۔ مگر قومی آنکھ !
روتی ہے کہ ہے یہ خودکشی کی قوت

ایضاً

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت
اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی
ہے طول امل ہنوز شیطان کی آنت

رباعی

جی کے مرنے میں کیا ہے ناز کی بات
مر کے جینا ہے امتیاز کی بات
چاہتی تھی زبان کرے تو صبح ! !
دل پکارا کہ ہے یہ راز کی بات

ایضاً

ہر رنگ کی باتوں کا میرے دل میں ہے جھرمٹ
اجمیر میں کلچا ہوں علیگڑھ میں ہوں بسکٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں
گھوڑا میری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹٹ

ایضاً

اٹھتی ہیں تجھ سے یہ آہیں دل ناشاد عبث
سننے والا نہیں کوئی تو ہے فریاد عبث
چرخ کہتا ہے ضروری ہے تڑپنے کیلئے
ورنہ گزری ہوئی باتوں کی ہے اب یاد عبث

ایضاً

شیخ آنر کیلئے آئے ہیں میدان کے بیچ
ووٹ ہاتھوں میں ہے اسپیچ قلمدان کے بیچ
وہی قسمت وہی قانون اور اس پر یہ بکھیڑ
اے خدا عقل ہے حیران تری شان کے بیچ

ایضاً

کہہ لی ہے خوب میں نے نئی روشنی کی جانچ
مجھ سے بہت نہ کیجئے اب آپ تین پانچ
ان لیڈروں کی شعلہ زبانی سے کیا ہوا
ہانڈی تو سرد رہ گئی مذہب پہ آئی آنچ

ایضاً

کروں میں کس طرح اس دور آفتاب کی مدح
ہنوز شرع میں جائز نہیں شراب کی مدح
مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

ایضاً

عابدوں کے دم سے ہے یہ رونق دربار صبح
نعرۂ تکبیر سے ہے گرمی بازار صبح
جھانکتا ہے اس کی جانب دور سے مہر مبین
خوش نصیب اٹھیں وہ ہیں جنپر کھلیں اسرار صبح

ایضاً

جسم میں یا تو کبھی تھا شوق سے ہیجان روح
یا تعلق جسم سے اب ہو گیا سوہان روح
عقل انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں
روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جان روح

رباعی

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے پیچ
اور شیخ کے گھر میں پہنچ جانے کی ہے پیچ!
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے!
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے پیچ

ایضاً

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند
توڑوں پہ تیرے جھومنے لگتی ہے شاخ گل
بیجا ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

ایضاً

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی!
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

ایضاً

حق نے جنہیں دی ہے فہم قرآن مجید
ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
بدلے سو رنگ انقلاب دنیا
ہر حال میں اُن کو ہے خدا ہی سے امید

ایضاً

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش!
یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

ایضاً

رنج ہے زیر فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھئے ماہ محرم ہی پڑا عید کے بعد
جلوۂ حسن کچھ آسان نہیں اے دیدۂ شوق
حور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

ایضاً

گو بنتے ہیں ممبری فنانی پرشاد
لیکن نہیں اپنی ناتوانی پر شاد
کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی
عاقل ہیں مکرمی بھوانی پرشاد

ایضاً

مذموم ہے رمز و طعنہ و کبر و حسد
رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد
ہم رنگ سے ارتباط با صدق و صفا
بے میل سے احتراز بے کینہ و کد

رباعی

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
بس اصل کار دین تو صرف تسبیح و ثنا عت ہے
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

ایضاً

جس نے ابھارا خلق کو طاعت کردگار پر
نقش اسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر
شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کیساتھ
سکۂ انبیا ابھی ہے ہر دیار پر

ایضاً

کیا افسردہ نافہموں نے مجھکو ہم نشین ہو کر
طبیعت رک گئی افسوس معنی آفرین ہو کر
ہجوم یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر ہر دل سے حزیں ہو کر

ایضاً

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور
وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگ انجمن
تہذیب مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

ایضاً

میل نظر ہے زلف میں کج کلاہ پر !
سونا چڑھا رہوں ہیں تارِ نگاہ پر
اچھا ہوا مقابلہ برق حسن و عشق
ان کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

ایضاً

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر
نظم میں بھی وعظ آزادی کی اب تائید کر
صاف ہے روشن ہے اور ہے صاحب سوز و گداز
شاعری میں بس زبان شیخ کی تقلید کر

ایضاً

فرمان اجل کا آگیا وقت صدور
ہوں گے کوئی دم میں شامل اہل قبور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں !
یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند حضور

ایضاً

دیکھئے اکبر کے آج کچھ اشعار
آئی بیحد پسند یہ گفتار ! !
تجربہ خود بنے گا واعظ دیں !
لیک بعد از خرابی بسیار !

رباعی

[illegible] پہ شکوہ و تقاطی و سیر
بیٹھے الگ سب سے [illegible] بستر رکھ کر
افسوس ہے مخلصوں کو اور ہنستے ہیں غیر
ہو سکتی ہے تب امید تمنت بالخیر

ایضاً

مشکل نہیں [illegible] کہ جو ہیں اہل غرور
[illegible] ہم وحدہٗ [illegible] کو دیتے یہ کہو!
اک امر ہے پوچھنا ہمیں انسے ضرور
پیدا ہوا مادّے ہیں کیونکر یہ شعور

ایضاً

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
سوتوں کو جگا دیا انہوں نے لیکن
کہتا نہیں تم سے ہیں کہ ہو اُس سے نفور
اللہ کا نام لے کے اُٹھنا ہے ضرور

ایضاً

لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
اسلام سے جس نے بیوفائی کی ہے
لکھیں یارب ملک میرا نام بخیر
پایا نہیں ہیں نے اس کا انجام بخیر!

ایضاً

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر!
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
دولت جو ملے تو اُس کو تقسیم بھی کر
جو اہل ہیں اُسکے اُن کی تعظیم بھی کر

ایضاً

افسوس ہے بدگمان کی آزادی پر!
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر
خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

ایضاً

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لے کر
سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن
بنیا بیٹھا ہے موٹھ موتھی لے کر
وہ دولت وجنس گھر میں جو تھی لیکر

ایضاً

کیا اسکی خوشی کہ تم کو ہے عقل کثیر!
ہرگز یہ نہیں ہے حسن قانون خدا
ہم کو تو اسی سے کر دیا تم نے فقیر
کہتے ہیں حضور اُس کو حسن تدبیر

رباعی

تہمد پہ ہے شبۂ و حقارت کی نظر!
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر!
بہتر ہے یہی برہنہ پھرئے اکبر!
شائد پڑ جائے اُن کی رغبت کی نظر

ایضاً

اس بُت کیلئے ہے دہر میں فصل بہار
اک تخت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہتا ہے اٹھاؤ اس کو یہ ہے مرا عرش
کہدو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار

ایضاً

ہیں اہل جہاں منکر اللہ سے کد پر
دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کے لحد پر
ہنگامے انہیں کے لئے ہیں صلِ علیٰ کے
جو زیست ہیں عاشق تھے ہو اللہ احد پہ

ایضاً

جمتا نہیں یقین کوئی میرے ہوش پر
کاموں کی یاں بنا ہے فقط دل کے جوش پر
کیونکر دلیل دیکھ سکے اس جمال کو
جسکا خیال برق گراتا ہے ہوش پر

ایضاً

پینا وہ ہے کہ مستی ہو اوج معرفت پر
جینا وہ ہے کہ جو ہو امید آخرت پر
کیا ہو بنائے الفت آخر مناسبت کیا
ہیں خاک بیکسی پر وہ تخت سلطنت پر

ایضاً

وہ دولت کیا رہی وہ دن جو تجھ سے متصل ہو کر
ترقی تو وہ ہے رہ جائے دل میں جز و دل ہو کر
ہوائے نفس کے تابع ہیں جنکے جسم اے اکبر
انہیں کی روح رہتی ہے بدن میں منفصل ہو کر

ایضاً

مبتلائے بحث کو رازِ خدا کی کیا خبر
معنی بے لفظ و لفظِ بے صدا کی کیا خبر
پایا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اس میں شریک
ابتدا کا علم کیسا انتہا کی کیا خبر

ایضاً

ظاہر ہوئی کمیٹی و کالج کی اک لکیر
آخر اسی لکیر کے سب ہو گئے فقیر!
مرکز جو فطرتی تھے انہیں اب نہیں قرار
چکر میں خود پھنسے ہیں ہمارے امیر و پیر

رباعی

میں کیا پاؤں گا اکبر بتکدے میں حاضری دیکر
یہ بت رہ جائینگے تھوڑی سی داد کافری دیکر
کہانتک اہل دنیا سے کروگے معذرت اکبر
یہی بہتر ہے چلدو اک جواب آخری دیکر

ایضاً

ہستی میں رہے ہستئ وحدت میں فنا ہوکر
عالم کو میں کیوں دیکھوں عالم سے جدا ہوکر
فتوائے خرد جو ہو دل کی تو صدا یہ ہے
فانی ہے جدا ہوکر باقی ہے خدا ہوکر

ایضاً

جینے والوں کو تو نگہیں ہیں فقط پیش نظر
مرنیوالوں کے مصائب کی بہت کم ہے خبر
یہی باعث ہے کہ غفلت میں پھنسی ہے دنیا
لب خنداں کی ہے کثرت عوض دیدۂ تر

ایضاً

میں کیا کرونگا عزیز یہ پارٹی[1] لے کر
مزا تو جب ہے آئے وہ یار ٹی[2] لیکر
خموش ہوگیا بت کیطرح میں کونسل میں
برہمن اٹھے جو اپنی مجارٹی[3] لیکر

ایضاً

یا شہید جلوہ ساقی ہو یا مے خانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ
دین بنجنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یا بت خانہ چھوڑ

ایضاً

یہ بھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ!
اصلاح یہ ہے - غور بے سود کو چھوڑ
بزم ملت کا عافیت جو ہے اگر!
اللہ کے آگے جھک - اچھل کود کو چھوڑ

ایضاً

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

ایضاً

مسجد نے کہا میرا منانا بھی ہے اک چیز
کالج نے پکارا کہ زمانہ بھی ہے اک چیز
واعظ کی بلاغت بھی بڑی چیز ہے لیکن
سچ بات یہ ہے دل میں سمانا بھی ہے اک چیز

[1] انگریزی Party
[2] انگریزی Tea یعنی چاء
[3] انگریزی majority یعنی کثرت رائے

رباعی

ہرگز نہیں ہمکو سلطنت کا افسوس !
ہے ابتری معاشرت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اس کا
ہے اپنے ہی تنزل معصیت کا افسوس

ایضاً

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
اونٹ گنگا میں بہ گیا افسوس
دیکھکر ہم کو ایسے دلدل میں !
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

ایضاً

نگاہ اُس بت بے دین کی ہے شراب فروش
عجب نہیں تجھے مستی کرے شباب فروش
کہا جو اُس نے کہ اب میں پھرونگا بے پردہ
منہ اُس کا دیکھ کے بس رہگئے نقاب فروش

ایضاً

کہدو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپکو خوش
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپکو خوش

ایضاً

بیسود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہے دراصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع کو علم میں ڈھونڈ
محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

ایضاً

یہ معشوق کا پیش نظر ہونا ہی وصل ہے

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش
کیوں وصل میں جستجو کمر کی وہ کرے
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

ایضاً

بی شخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش
خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہمد !
در عمل کوش وہر چہ خواہی پوش

ایضاً

کچھ دل ایسے ہیں کہ ہے جنمیں مضامین کا جوش
کچھ زبانیں ہیں وہ کھاتی ہیں جو تحسین کا جوش
ذوق طاعت کا مگر دل میں نہیں ہے پیدا
نہ زبانوں پہ دعائیں ہیں نہ آمین کا جوش

رباعی

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرہ دہر سے یہ آتی ہے صدا
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ایضاً

ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
نااہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں منہ
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضان کو شریف

ایضاً

تحصیل ہیں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں
نیچر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

ایضاً

پیش آئے ہیں امور عادت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو ! !
پایا نہیں ہم نے اپنی راحت کے خلاف
وہ خود ہی ہیں مورثوں کی خصلت کیخلاف

ایضاً

بن گئی ہے خضر راہِ دوستاں کیدِ حریف
ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
ہے نماز گریۂ زاہد سے خوش کیفِ نحیف
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشاراتِ لطیف

ایضاً

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
مذہب سے اگر بچیں تو پھٹکار کا خوف
بیرونقی دکان و دربار کا خوف !

ایضاً

اونچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف
اکبر کو یہ مجتبیٰ نے دی خوب صلاح
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف
جلد بھیجئے بھائی صاحب اجمیر شریف

ایضاً

فرمائیں میرا قصور حضرت جو معاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
جو امر واقعی گذارش کروں صاف
لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

رباعی

نیت ہو اگرچہ خیر و ایمان کی طرف — آنکھیں نہ اٹھاؤ بزم عصیاں کی طرف
مانا کہ بڑھو گے واں پہنچ کر لاحول — جانا ہی کیا ضرور ہے شیطاں کی طرف

ایضاً

فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق — امتحان پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر — کہتے ہیں رکھئے پرانی روشنی بالائے طاق

ایضاً

عالم بنئے تو کیجئے بات کا شوق : — مسٹر بنئے تو ہو مساوات کا شوق
چکمہ ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا — مجھکو بھی ہوا ہے اب اسی بات کا شوق

ایضاً

بل کھاؤ ہزار خواہ چھانٹو منطق ! — نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پر عاشق
لکھی ہے صحیح اک فرنگی نے یہ بات ! — مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

ایضاً

الامان اے زخم دل اے شدتِ سوز فراق — المدد اے مرگ مجھ پر زندگانی اب ہے شاق
روشنی طبع وہ مجھ میں کہاں ہے دوستو — شمع مردہ ہوں مجھے رہنے دو اب بالائے طاق

ایضاً

پہونچی نگاہِ عقل رسا دور دور تک — لیکن نہ جا سکی کبھی اوجِ حضور تک
جامِ مئے الست سے ایسی تھی بیخودی — ہستی کا اپنی حس نہ ہوا نفخ صور تک

ایضاً

ہم کو نہیں انکے عیش و راحت پر رشک — بے غیرت و کودن اس پہ برساتے ہیں اشک
کافی ہے ہمیں عبادت حق کے لئے — ایک اونٹنی ایک پال پانی اک مشک

ایضاً

سامان عیش کچھ نہ رہا اڑ رہی ہے خاک — اس غم میں اپنی جان مگر کیوں کروں ہلاک
میں نے تو جل کے کہدیا اس سال جون میں — ٹٹی اگر نہیں نہ ہو خس کم جہاں پاک

رباعی

دیکھا مناظرہ کا بہت اسنے رنگ ڈھنگ
اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی امنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق[1]
ایمان برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

ایضاً

نہ نرے اونٹ ہو نہ ہو بلنڈ اگ !
نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ ! !
چال ہے اعتدال کی اچھی !
ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ

ایضاً

ہندو تلتے ہیں تھام کر گائے کی سینگ
آغا گرمی دکھاتے ہیں پیچ کر ہینگ
لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پر ناز
کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں جو ڈینگ

ایضاً

دنیا کی ہوس دھرم کا لیتی ہے جو رنگ
دقت ہوتی ہے جاتری ہوتے ہیں تنگ
گنگا جی کا بہاؤ تو یکساں ہے !
آفت ہے مگر پراگ والوں کی یہ جنگ

ایضاً

کمیٹی میں جتنے ہیں ارکان لیگ
بفضل خدا سب ہیں میرے کلیگ
مگر ان سے ہے مجھکو تخصیص خاص
کہ ہے نام کیساتھ جن کے علیگ

ایضاً

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھکو تکمیل
غیرت نہیں میری بزم و دانش میں دخیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھکو عزیز
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھکو وہ ذلیل

ایضاً

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
حق سے ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
یکجا کر دیں حوادث دہر اگر ! !
جائز ہے اس سے مل مگر دل سے نہ مل

ایضاً

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ہر رنگ دکھائے تجھکو خالق کا جمال
ساری دنیا ہے اس لو پیاری اکبر
کہتا ہے کم آل[2] جسکو حاصل ہے کمال

[1] جناب نواب احمد حسین خان بہادر مذاق تعلقہ دار پرتاب گڈھ(؟)
[2] انگریزی All بمعنی تمام

رباعی

شیطان کا سنا جو شیخ صاحب نے یہ قول — بولے کہ فضول تجھکو یہ آتا ہے حول
میں خود بدل گیا ہوں زمانے کے ساتھ — پڑھتی ہے مجھی یہ اب دنیا لا حول

ایضاً

ہیں حضرت ساحر آج اک حسن کمال — ہے مخزنِ حکمت و خرد اُن کا خیال
اشعار اکبر کے کیوں نہ ہوں یاد اُن کو — راجہ کے گھر میں موتیوں کا کیا کال

ایضاً

کہتی ہے زراہ کبر مجھ سے وہ گرل[۱] — کیا تجھ سے ملوں کہیں کا ڈیوک[۲] نہ ارل[۳]
اکبر نے کہا دکھا کے داغِ دل و اشک — ہے مری گرہ میں بھی یہ روپی یہ پرل[۴]

ایضاً

فطرت سے الگ اگر تمہارا ہے خیال ! — تاثیر کچھ اس میں ہو یہ ہے امر محال
گو طرزِ بیان پہ شورِ تحسین اٹھے — مقبول نہ ہوگے پیشِ اربابِ کمال

ایضاً

کوئی سنتا نہیں تیری تو اس بکنے کا کیا حاصل — کوئی منزل نہیں در پیش پھر تھکنے کا کیا حاصل
اشارہ چشمِ شوقِ مشرقی سے ہے یہ مغرب کا — جو قوت ہو تو بسم اللہ منہ تکنے کا کیا حاصل

ایضاً

کچھ نہ سمجھا شبِ فراق کا حال — کھل گیا یار کے مذاق کا حال
اعتبار آپ کو نہ آئے گا ! — کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال

ایضاً

مذہب کا معاشرت سے ہے ربط کمال — دونوں جو ہوں مختلف تو آرام محال
پہلے یہ مسئلہ سمجھ لیں احباب ! — بعد اس کے رفارم[۵] کا کریں دل میں خیال

ایضاً

جب علم گیا تو شوق عزت معدوم — دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوشِ اکبر میں صدا ! — مذہب جو مٹا تو زور دولت معدوم

- ۱؎ لڑکی
- ۳؎ امیر
- ۴؎ سچا موتی
- ۵؎ انگریزی

رباعی

خواہان علم نہ طالبِ گنج ہیں ہم
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

ایضاً

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
ہر چرب زبان نہیں ہے شمع اخلاص
جلنے والے بہت ہیں دل سوز ہیں کم

ایضاً

رکھو جو مقابل اس کے سارا عالم
دنیا بخدا ہے اک ذرے سے بھی کم
اُس ایک ذرے میں ہے ہماری کیا حاصل
نافہم ہیں کر رہے ہیں ناحق ہم ہم

ایضاً

مخلوط کرو نہ نفس و نیچر کو ہم !!
گو نفس نے بھی لیا ہے نیچر سے جنم
جو بھوک لگے زبان کو وہ ٹھیک نہیں
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

ایضاً

پڑتا ہے بتوں سے ساعتِ چند کا کام
تمہید میں اُس کی دولت و عمر تمام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ
دشوار ہے نفس سے عبادت کا کام

ایضاً

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش فیم[1]
سرکاری نوکری کو ہرگز نہ کر ایم[2]
شادی نہ کر اپنی قبل تحصیل علوم
بُت ہو کہ پری ہو خواہ ہو وہ کوئی میم

ایضاً

تھا باعثِ الم مرض جانگزائے قوم
مدت سے سن رہے تھے علیگڈھ میں ہائے قوم
آخر اودھ نے کالج بھی بنا لیا
شکر خدا کہ ہو گئی پیدا و ائے قوم !

ایضاً

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیک نام
اہل دانش میں مگر میرا فزوں ہے احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

[1] انگریزی Fame بمعنی نیک شہرت
[2] انگریزی Aim بمعنی مطمح نظر

رباعی

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق قوم
تھے بتلائے حج و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم
دنیا و دین کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا
عشق بتان شباب میں پیری میں عشق قوم

ایضاً

انداز سلف کو یک قلم بھولی قوم !
ہے سالک راہ غیر معمولی قوم
جمعیت دین و دل سے کچھ کام نہیں
قومی اسکول ہے اور اسکولی قوم

ایضاً

برق و بخارات کا زور اے حکیم !
کب ہے پئے روح رہ مستقیم !
تار پہ جاتے نہیں اہل نظر !
ریل سے کھینچتا نہیں قلب سلیم !

ایضاً

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں
مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

ایضاً

واعظ ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں
موسیقی و شراب جوانی و حسن ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

ایضاً

غم ہے اتنا کہ دل زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں
کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا!
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

ایضاً

مزے کا جشن تھا اک شراب خانے میں
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ایضاً

بعد پنشن کے تصنع سے مجھے ساز نہیں
ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں
گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب
پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پرواز نہیں

رباعی

کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں
میں سجدے میں ہیں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ
زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں
بیٹھوں میں وہ کریں خدا سے باتیں

ایضاً

چہرہ یورپ کا میں پروانہ ہوں!
شب میں پیدائش ہوئی ہے پیش شمع
اُس کی ہر ایک بات کا دیوانہ ہوں
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں

ایضاً

جو حسرتِ دل ہے وہ نکلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل سنبھالے رہئے
جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں
قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

ایضاً

حواس وفہم میں اُلجھے ہوئے ہیں!
خدا تک ہے رسائی دشوار! !!
برات وسہم میں الجھے ہوئے ہیں
سب اپنے وہم میں اُلجھے ہوئے ہیں

ایضاً

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم!
جو ایک کرے اُدھر طبیعت ہی نہیں
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

ایضاً

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
طرزِ تعلیم پر ہے لیکن الزام
ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

ایضاً

واں شوکت وزینت کے جو اسباب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن
معنی کے یہاں گو ہر نایاب بہت ہیں
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ایضاً

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
حضرت کو جو فرصت ملاقات نہ ہو
منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
بوسے پہ آستان کے شاکر ہوں میں

رباعی

دل چسپ ہوائیں سوئے گلشن پہونچیں
درگا بائی سے راجہ جی جب اُٹھے !
زلفیں شملے سے تا بہ دامن پہونچیں !
صدقے ہونے کو بی نصیبن پہونچیں !

ایضاً

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پُن میں
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
پہونچائیگا قوت شجر ملک کی بُن میں !
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

ایضاً

ایک سید کیا کریں یا بیٹھکے بس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے
حضرتِ حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
ہم غریب و ناتواں و زار و بیکس کیا کریں

ایضاً

روشنی سر میں ۔ گداز غم ۔ دل مایوس میں
روکتا زور دریا سے ہوں تو فرماتے ہیں وہ
شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
آجکل برکت بڑی ہے خرقۂ سالوس میں

ایضاً

ہم نیک خصال یہ تسلیم نہیں ! !
لیکن یہ ہیں طریق و عادات کو عجم
دنیا میں اس روش کے تکریم نہیں !
واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں !

ایضاً

نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زبان
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز
مطلب یہ ہے کہ سمجھے اُن کے فرمان
اس نکتہ کو کیا سمجھیں جو ہیں نادان

ایضاً

پورا سائنس ہم کو آنے کا نہیں !
وہ کمپنیاں ہیں اور نہ کوئلے کی وہ کان
کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں !
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

ایضاً

نہ وہ جان کے ہیں نہ ہیں تن کے دشمن
جو ہوں دوست اپنے کہاں وہ میسّر
فقط ہیں ہمارے میاں پن کے دشمن
غنیمت ہیں اس وقت دشمن کے دشمن

رباعی

اس بزم سے سب کے سب اٹھے جاتے ہیں
تسکین کے جو تھے سب اُٹھے جاتے ہیں
اک قوت مذہبی عقیدوں سے تھی !
وہ بھی تو دلوں سے اُٹھے جاتے ہیں

ایضاً

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بے کار
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

ایضاً

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں
داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تیری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

ایضاً

وہ رنگ کہن تیرے عاشق میں نہیں
الجھا ہوا اب وہ طرز سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

ایضاً

اردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں
اس ملک کا کام ٹھیک ہونے کو نہیں
ممکن نہیں شیخ امرالقیس بنیں !
پنڈت جی والمیک[1] ہوتے کے نہیں

[1] سنسکرت کا ایک بڑا مصنف

ایضاً

دلکش نہیں وہ حسین جسے شرم نہیں
رونق نہیں اس کی جس کا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت جو ہو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

ایضاً

سمجھے جو کوئی بڑا یہ مضموں نہیں !
کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
ہر چند کہ یہ مزے چکھاتا ہے بہت
شیطان کا کوئی شخص ممنون نہیں

ایضاً

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

4

رباعی

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مست نگاہِ بتِ دل خواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور ساہ کے خواہاں

ایضاً

مشکل سے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں !
پہچانیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یونہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

ایضاً

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
اب ابتری سے یہ قوم رکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں ان میں کچھ بھی غیرت پیدا
اور بات اکبر کی ہے کہ چکتی ہی نہیں

ایضاً

چغلیاں اکدوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے تو لڑ پڑتے بھی ہیں
ہندو مسلم ہیں پھر بھی ایک در کھتے ہیں بیج
ہیں نظر آئیں کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

ایضاً

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں
وہ فونوگراف کی طرح گاتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال
انسان یوں ہی ترقیاں پاتے ہیں

ایضاً

لفظوں کے چمن بھی اس میں کھل جاتے ہیں
بیساختہ قافئے بھی مل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی !
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

ایضاً

آپکی فرقت میں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گانار ہا رویا نہیں
نوش جان فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا
چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں

ایضاً

ہم کیا خالی ہوائی گولا چھوڑیں !
کس جوگ کے بل پر اپنا چولا چھوڑیں
حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دکان
ہم کیوں اپنا محلہ ٹولہ چھوڑیں

رباعی

ظلم جتنے ہیں ہمیں پردہ کئے جاتے ہیں
ہم بھی ایسے ہیں کہ اس پر بھی جئے جاتے ہیں
شیخ کے حق میں اٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے
ظرف انہیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پئے جاتے ہیں

ایضاً

زمانِ حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں
شراب اڑتی ہے پبلک میں روا ہے خون تقویٰ کا
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

ایضاً

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہو گیا ہوں
اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہو گیا ہوں
کافی ہے سوز باطن انوار معرفت کو
اپنی ہی شمع دل کا فانوس ہو گیا ہوں

ایضاً

غضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزم ہستی میں
حقیقت پر نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں
فلک دیتا ہمیں کچھ اوج رخ کرتے جو پستی کا
خیالوں ہی کی پستی نے بٹھا رکھا ہے پستی میں

ایضاً

مجھے سنا کے یہ کہتا تھا اک طفل ذہین
یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بو بھی نہیں
سبب ہے اس کا مگر صرفِ ضعفِ ملت و دیں
جناب قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیر نشیں

ایضاً

دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں
بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں
مری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت
ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

ایضاً

پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن !
نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے
کہاں کھینچ لے جائے گا ہم کو انجن

ایضاً

اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں
گو اس نے بہت کہا کہا کچھ بھی نہیں
زلف و کمر بتاں کا مفقود ہے ذکر
شیطان پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

رباعی

جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں
وہ بگڑ کر بول اُٹھے آپ مرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ
اکبر اٹھتے کیوں نہیں واعظ ابھرتے کیوں نہیں

ایضاً

بُت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں
اللہ کا نام لیں تو یہ واہ کہاں
خاموش رہیں تو دل کو بے چینی ہو
بھاگیں تو سکت کسے ہے اور راہ کہاں

ایضاً

قول ملحد ہے کہ نیچر ہو گیا میر اعین
اور فلک کی ہے صدا واللہ خیر الماکرین
ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دہر کا
دیکھنا ہے کون سچ کہتا ہے دنیا یا کہ دین

ایضاً

کہنا مجھکو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں
دینی علموں کی موج کو بہنے دیں
شبلی[۱] کی دعا تبانِ مغرب سے یہ ہے
ندوہ کو حضور قبلہ رُخ رہنے دیں

ایضاً

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں
قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال مرزا کس کو
جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

ایضاً

اس پیڑ میں خوب ہی کٹھل آئے ہیں
ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
اکبر نے کہا کہ ہم غریبوں کے لئے
نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

ایضاً

مفقود ہے گو کہ آج یا رو نیشن[۲]
صد شکر ہوا ظہور کارونیشن[۳]
مانگو خالق سے حضرت جارج کی خیر
تم بھی ہو جاؤ گے ٹو مارو نیشن[۴]

ایضاً

حضرت خود واقعات تصنیف کریں
ہم بیٹھ کے انجمن میں تعریف کریں
فطرت یہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو
بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

۱ مراد شمس العلما مولانا شبلی نعمانی شمس العلما مرحوم بانی ندوہ
۲ انگریزی nation معنی قوم
۳ انگریزی coronation معنی جشن تاجپوشی
۴ انگریزی tomorrow معنی کل فردا

رباعی

ترقی کی نئی ہیں ہم پہ چڑھا کیں :
گھٹا کی دولت اسپیچیں بڑھا کیں
ہمیں ہر پھر کے آیا ہی نصیبن !
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

ایضاً

فلک پر شان وعظمت سے ستارے جگمگاتے ہیں
خدا کی سلطنت کی جوبلی ہر شب مناتے ہیں
یہی نظارہ ہمکو محو رکھتا ہے سدا اکبر
فرشتے بے ٹکٹ یہ منظر اعظم دکھاتے ہیں

ایضاً

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں
ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اس کا علاج
انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

ایضاً

تیری باتیں رہ تحقیق کی سالک ہی نہیں
میں نہ مانونگا کہ میرا کوئی مالک ہی نہیں
لطف جب تھا کہ مُنی اور رشی رہتے تھے
ہردوار اب وہ نہیں اور وہ سوالک ہی نہیں

ایضاً

گوشہ صبر وقناعت ہی میں اب محفوظ ہوں
شہد سے محروم ہوں تو زہر سے محفوظ ہوں
گو حریفوں کی نظر میں رنگ پھیکا ہو مرا
نرگس مستانۂ ساقی کا میں ملحوظ ہوں

ایضاً

چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اس کی زندگی اخبار میں
شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بی بیاں اسکول میں ہیں اور شیخ جی دربار میں

ایضاً

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بی بیاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں انکو
دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

ایضاً

یہ لیڈر خود ہی مضطر ہیں مگر عشوے دکھاتے ہیں
جو شخصی زندگی ہے اس کو یہ قومی بناتے ہیں
بجز الفاظ کے حاوی نہیں کلی یہ کام انکے
یہ خود جزئی ہیں لیکن گیت کلی کا سناتے ہیں

رباعی

خانہ جنگی ہی میں حضرت مرد ہیں
عیب جوئی کے ہنر میں فرد ہیں!
اپنوں ہی کے واسطے ہیں شعلہ خو
سامنے غیروں کے بالکل سرد ہیں!

ایضاً

میرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہیں
جو اچھے ہیں وہ مومن ہیں برے جو ہیں وہ کافر ہیں
وہی ہیں پاک طینت لو لگی ہے جن کی خالق سے
نہیں ہے شرک کی جن میں نجاست بس وہ طاہر ہیں

ایضاً

کفر پر غصہ نہیں فطرت پہ کچھ حیرت نہیں
خانہ جنگی کے سوا بس اور کچھ رغبت نہیں
قوتِ انشا کو آخر صرف کرنا ہے ضرور
کیا کریں زورِ قلم ہے اور کچھ طاقت نہیں

ایضاً

کیا فرض ہے یہ کہ وحشائی میں رہیں
لازم کیا ہے۔ بلند آرائی سے رہیں
کافی ہے خدا کی یاد اک گوشے میں
روٹی مل جائے اور صفائی سے رہیں

ایضاً

یہ شاعر رنگِ شب کو گیسوئے لیلیٰ بھی کہتے ہیں
یہی حسن تصور ہے جسے سودا بھی کہتے ہیں
تو نکتے ناز پر اس عہد میں لازم ہے خاموشی
برا کہتے ہیں دس انکو تو دس اچھا بھی کہتے ہیں

ایضاً

اس موت کے آگے اے اکبر مشغولی دنیا کچھ بھی نہیں
سب کچھ جسے ہم سمجھے تھے دم بھر میں جو دیکھا کچھ بھی نہیں
تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا
اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندے کی تمنا کچھ بھی نہیں

ایضاً

شیخ جی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں
اب تو ہم مصلحتاً ان کا ادب کرتے ہیں
طلب جاہ پہ وہ کرتے ہیں کس کو مجبور
سچ تو یہ ہے کہ ہمیں لوگ غضب کرتے ہیں

ایضاً

تم کو مبارک ہو بس جو ہم کہیں وہ سب کہیں
ہم کو تو ہے اس میں مفر سب کی سنیں یا رب کہیں
سورج تو ہے لیکن نہاں ظلمت کے اندر ہے جہاں
تقویم میں تم دن پڑھو ہم جس کے اندر شب کہیں

رباعی

کسی سے وہ محبت ہو محبت جس کو کہتے ہیں
پھر اُس سے ایسی فرقت ہو کہ فرقت جسکو کہتے ہیں
دلی حالات کا اندازہ ہو اسوقت غافل کو
مصیبت ہی نہیں دیکھی مصیبت جسکو کہتے ہیں

ایضاً

کیا عذر قوم کو ہے ترقی کی بات میں
رغبت کیسا نہ خود ہے وہ لیڈر کے ہات میں
تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

ایضاً

بسے ہر گڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکیئے میں اصالت اسکو کہتے ہیں
سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

ایضاً

مایوس ہوں مریضِ غم لا علاج ہوں
کل بھی جیا تو کیا وہی ہونگا جو آج ہوں
افسردہ ہو کے کہتی ہے گل کی زبانِ حال
صرصر سے کیا کہوں کہ میں نازک مزاج ہوں

ایضاً

وہ اپنی حد سے باہر قائم یہ اپنی حد میں
یہ عمدہ فرق میں نے پایا ہے نیک و بد میں
تیری ہی حدمیں تیری ساری سرمتیں ہیں
مشکل ہے بحث کرنا میرے سخن کے رد میں

ایضاً

الگ خیال سے یہ دنیوی مظاہر ہوں!
نماز کا ہے مزا جب حواس طاہر ہوں
مخالفین کو ہم کہہ تو دیتے ہیں کافر
اگر یہ ڈرتے ہیں دل میں ہمیں نہ کافر ہوں

ایضاً

حواسِ ظاہری کے دام میں اوہام حاضر ہیں
اگر یہ صید خود صیادِ اطمینان خاطر ہیں
مرا اسلام ہی کیا ہے کہ حکمِ کفر دوں اکبر
وہی کافر ہیں جو اللہ کے نزدیک کافر ہیں

ایضاً

بادۂ عرفان کہاں یہ بحث کا دفتر کہاں
کفر ہے اس انجمن میں کون آیا کیونکر کہاں
خانہ تن کے بھی اجزا میں ہے پیہم انقلاب
کیا بتائیں ہم کسی سے ہے ہمارا گھر کہاں

رباعی

موت سے ڈرتا ہوں گو موت کا شائق بھی ہوں
یعنی شبہ ہے کہ ایسے شوق کے لائق بھی ہوں
ہو نہیں سکتا بیان حالِ دل الفاظ میں
جوش بھی ہے طبع میں اور شعر میں فائق بھی ہوں

ایضاً

مقبول جو ہوں شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں
آئینے کے مانند ہیں کم۔ دل تو بہت ہیں
وہ کم ہیں تڑپنے میں جنہیں ملتی ہے لذت
یوں آپکی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

ایضاً

لذت ہے روح کو تنِ خاکی سے میل میں
فطرت نے مست رکھا ہے قیدی کو کھیل میں
فتح و شکست پر نظریں آپ ہی کی ہوں
اپنی تو دل لگی ہے فقط پاس فیل میں

ایضاً

حقیقت کیا مری ہستی کی اک ذرے سے بھی کم ہوں
تعجب اس پہ آتا ہے کہ میں بھی جزوِ عالم ہوں
بحمد اللہ مری ہستی نہیں ہے بارِ فطرت پر
زمیں پر ہوں تو سبزہ ہوں گلوں میں ہوں تو شبنم ہوں

ایضاً

مس سے بیگم نے کہا کل تو کہاں اور ہم کہاں
بوٹ کی چرچر میں کیا رکھا ہے یہ چھم چھم کہاں
مس یہ بولی پڑھ کے نکلو تو ذرا اسکول سے
اور ہی چالیں نظر آئیں گی یہ عالم کہاں

ایضاً

اولادِ مرزا ہر طرف بدنام ہیں !
پتنگ بدھو وارثِ اسلام ہیں
گردشِ گردوں کے آگے کس کا زور
کون دم مارے خدا کے کام ہیں

ایضاً

کیا چیز ہے سکون تو تلاطم بھی کچھ نہیں
ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں
کیا نور تھا نگاہِ جنابِ خلیل میں
شمس و قمر بھی کچھ نہیں انجم بھی کچھ نہیں

ایضاً

ہے جو لب پر شکوہ سمجھیں اسکو یا آہیں کہیں
میں ہوں مست بادۂ غم لوگ جو چاہیں کہیں
جو طریقے کامیابی کے بتاتے ہیں یہ بت
ہیں یہ سب دامِ ہلاکت آپ انہیں راہیں کہیں

رباعی

روح ہے تن میں مگر دل میں مرے جان نہیں / داغ ہی داغ ہیں اب اور کوئی ارمان نہیں
سخت مشکل ہے مسلمان کو اس وقت فروغ / اور قناعت کی جو کہیے تو وہ آسان نہیں

ایضاً

دنیا کو خوب دیکھا جتنی محبتیں ہیں ! / موقع کی سازشیں ہیں مطلب کی ساعتیں ہیں
البتہ جو تعلق دینی خیال سے ہے ! / اس میں وفا ہے شامل اور دل میں راحتیں ہیں

ایضاً

کسی کو بخت نہیں آج پاپ اور پن میں / سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں
وہ بدگمان مرے جوشِ نگاہِ شوق سے ہیں / نہ احتیاط ہے مجھ میں نہ حسنِ ظن اُن میں

ایضاً

عزلت ہی ہے مناسب کیوں دل میں یہ نہ ٹھانوں / دنیا مجھے نہ جانے دنیا کو میں نہ جانوں
میری نصیحتوں کو سن وہ شوخ بولا ! / نیٹو[1] کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

ایضاً

کیا خوشی ہے ہم آہ کرتے ہیں !! / کیوں وہ ایسی نگاہ کرتے ہیں !!
پھیرتے ہیں نگاہ دنیا سے !! / آنکھ کو رو براہ کرتے ہیں !!

ایضاً

خوشی سے واہ کرتا ہوں نہ غم سے آہ کرتا ہوں / محلِ حیرت کا ہے بس اللہ ہی اللہ کرتا ہوں
قناعت ہی مری دولت دیانت ہے میری عزت / نہ حرصِ مال رکھتا ہوں نہ فکرِ جاہ کرتا ہوں

ایضاً

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں / مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں پروانہ ہوں
حال میرا پوچھتے ہیں کیا یہ مستقبل طلب / کشتۂ ماضی ہوں صرف اک افسانہ ہوں

ایضاً

دن گذرتے ہی چلے جاتے ہیں ! / لوگ مرتے ہی چلے جاتے ہیں !
جانتے ہیں کہ یہ غفلت کے ہیں کام / پھر بھی کرتے ہی چلے جاتے ہیں !

[1] انگریزی native یعنی دیسی اب یہ لفظ حقارت کے موقعہ پر بولا جاتا ہے

رباعی

دنیا کو نہ کاغذِ خبر میں دیکھو!
اپنے فرزند اپنے گھر میں دیکھو!
الفاظ کی شوکت و نزاکت پہ نہ جاؤ
قائل کو قول کے اثر میں دیکھو!

ایضاً

سب سعی میں مصروف ہیں حاصل کی نہ پوچھ
مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھو
ہے بحرِ مباحث میں رواں کشتیٔ امید
لہروں کی لچک دیکھ تو ساحل کی نہ پوچھو

ایضاً

خواہ صاحب کو سلام کرو!
خواہ مندر میں رام رام کرو!
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے!
جس میں روپیہ ملے وہ کام کرو!

ایضاً

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو!
لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو!
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر
حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو!

Loyal subject
وفادار رعایا

ایضاً

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کیساتھ
رکھتا ہوں اک اوٹنی بھی ٹم ٹم کیساتھ
ہے عشق حقیقی و مجازی دونوں!
قوال کو بھی صدا ہے چھم چھم کیساتھ

ایضاً

مقوی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہے یہ
کس سے میں کہوں کہ دل لگی تخریب ہے یہ
شیطان کو بہ جیم کہدیا تھا اک دن!
اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ایضاً

مرد کو چاہیئے قائم رہے ایمان کیساتھ
تا دمِ مرگ رہے یادِ خدا جان کے ساتھ
میں نے مانا کہ تمہاری نہیں سنتا کوئی
سر ملانا تمہیں کیا فرض ہے شیطان کیساتھ

ایضاً

مسکین ہو گدا ہو یا ہو شاہ ذی جاہ
بیماری و موت سے کہاں کس کو پناہ
آہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

رباعی

تصدیق ادھر بشوق ادھر بالارادہ جھوٹھ
اس سے زیادہ مکر نہ اس سے زیادہ جھوٹھ
عارض نہ ان کا گل ہے نہ دل میرا آئینہ
رنگین جھوٹھ وہ ہے اگر یہ ہے سادہ جھوٹھ

ایضاً

احتمال فتنہ ہے ہر مجمع و ملت کے ساتھ
گشت کرتی ہے پولیس بھی شیخ کی جنت کیساتھ
چھوڑ کر صحن حرم اکبر ہے محو طواف دیر
عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کیساتھ

ایضاً

اکبر کو ہے الفت بتان گمراہ !
کرتا ہے انہیں کے وصف میں نامہ سیاہ
احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار
تردید کریں کہیں کہ سبحان اللہ

ایضاً

عیش دنیا کا ہے شوق سے اغیار کیساتھ
دل مرا شاد ہے سینہ میں غم یار کے ساتھ
کام نکلیگا نہ اے دوست کتب خانوں سے
رہئے کچھ روز کسی محرم اسرار کے ساتھ

ایضاً

بڑھتا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ
لئے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ
تمہاری احتیاطیں مطمئن کرتی نہیں مجھکو
سمجھتا ہوں قدم رکھتا ہے چور آہستہ آہستہ

ایضاً

ہے اُن کی جبیں اور بتوں کی درگاہ
ہیں شرک خفی میں مبتلا شام و پگاہ
کس کو یہ خیال ہے کہ مومن کے لئے
قرآن میں ہے اشد حبّاً للہ ! !

ایضاً

کیا کروں عہد وفا اپنے خیالات کیساتھ
کہ خیالات بدل جاتے ہیں حالات کیساتھ
دیکھکر حضرت اکبر کو خدا یاد آیا !
یہ مصائب کا ہجوم ایسے کمالات کیساتھ

ایضاً

فارسی اٹھ گئی اردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اس کی وہ قوت نہ رہی
بند کر اپنی زباں ترک سخن کر اکبر
اب تری بات کو دنیا کو ضرورت نہ رہی

رباعی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصت فریاد تو دی
کیا ہوا شمع حرم تو نے بجھائی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے مجھے داد تو دی

ایضاً

اُن کی نگاہ دشمن اسلام ہی رہی !
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی رہی
یاروں نے سو طرح کے مشاغل کئے بہم
لیکن مجھے تو فکر مئے و جام ہی رہی

ایضاً

حالت تو یہ پہونچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی
کیا کام چلے اُن کی توجہ نہیں اکبر
اب کیئے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

ایضاً

اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی
گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہُشی نکلی
غضب ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے
جو دیکھی فال تو بس اسمیں بند خامشی نکلی

ایضاً

خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی
عزت اس کی نہیں ہوئی کم اب بھی
خودبین و حریص و جنگجو ہو نہ اگر
واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

ایضاً

رغبت جو دلائی وسعتِ مشرب کی
شامل اس میں غرض بھی بیشک سب کی
لیکن تبدیل وضع و نقل فاتح
ہے بغض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

ایضاً

راحت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی
حسرت کا کھنچا جو سین عبرت بھی ہوئی
دنیا میں جیسے جو پیش آیا اکبر
بس اُسکے مطابق اُسکی حالت بھی ہوئی

ایضاً

تحصیل علم کر کہ دولت ہے یہی
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

رباعی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی !
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی !
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کیلئے ہے کافی اے دل نیکی !

ایضاً

یہ زینت دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے پینی
بچوں کے سوا کون ہوا اس کا متمنی
گوش شنوا ہو تو سنو اس کے ترانے
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی مغنی

ایضاً

اس عہد میں یہی ہے کہیں داخل نکوئی
مذہب پر نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
شوق عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

ایضاً

منظور اے دل ہماری عرضی ہو گی
اس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہو گی
اس دور فنا میں ہو گی لیکن جو بات
وہ صرف برائے نام و فرضی ہو گی

ایضاً

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی !
صورت کو ادا نظر کی مستی نہ گئی !
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
طبع انسان سے بت پرستی نہ گئی !

ایضاً

مسلمانوں میں اب تعلیم انگلش رک نہیں سکتی
کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
وہ تنزل رک نہیں سکتا نہ پیچش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھے ہونگی لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی

ایضاً

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی !
پردہ اٹھا تو کھل گیا ہے اے اکبر
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

ایضاً

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
قانع کے واسطے ہے اعزاز و نیکنامی
محنت ہی کے لئے ہے تفریح قلب و روزی
مقبول دوستان ہے اکبر کی خوش کلامی

رباعی

تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی | اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھکر | بس دونو جہاں کی اس نے نعمت پائی

ایضاً

روزی مل جائے مال و دولت نہ سہی | راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھر بار میں خوش رہیں عزیزوں کیساتھ | دربار میں باہم رقابت نہ سہی!

ایضاً

رازِ بت شوخ کی خبر ہی نہ ملی!! | دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی!
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب | جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی!

ایضاً

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی! | دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی | کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی!

ایضاً

گو کہ رک سکتی نہیں یہ نقل وضع مغربی | پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہمقالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا | ہندگی تم کو مبارک صاحبوں کی صاحبی

ایضاً

دیکھے جو حوادث سماوی ارضی! | قائم کرلیں ہیں تونے باتیں فرضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر! | زندہ رکھتی ہے تجھکو کس کی مرضی

ایضاً

عمدہ مچھلی مسلم و خام ملی!! | تحفہ پایا مراد خدام ملی!!
ممنون کریم کیوں نہ ہوں اے اکبر | وہ دام ہیں لائے مجھکو بے دام ملی!

ایضاً

جبتک ہم میں ہے قومی خصلت باقی | بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید | بعد اسکے رہے گی پھر نہ حجت باقی

رباعی

زاہد کی تیغ دیکھ کے اُس بت کو چڑھ گئی
وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جان بچ گئی!

ایضاً

دست فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی
جو کچھ تھی اسکی عظمت و وقعت وہ سب مٹی
اس کی دولت قناعت و نیکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی

ایضاً

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی
اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی!

ایضاً

بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
ناشگفتہ رہ گئی بیشک ترے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بینی آشکار و ہم نہاں
در قبائے گلرخاں رنگ نبی بوئے علی

ایضاً

پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی کتنی!
اب پیش نگاہ ہیں فقط بنس[1] وپنی[2]!
کہتے ہیں حریف ہنس کے از رہ طعن
جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی چھنی!

[1] انگریزی اکنی
[2] انگریزی پیسے

ایضاً

ہم نے واعظ کی خوب داڑھی نوچی
یہ بات مگر نہ اپنے دل میں سوچی!
مذہب کو شکست دے کے کیا پائینگے
آخر کو رہینگے موچی ہی کے موچی!

ایضاً

اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی
ناحق تجھے ہمنشین ہے فکر اُس کی پڑی
انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی!
یہ ہند ہے یہاں خوں انتظامی ہے بڑی

ایضاً

انگریزوں میں عادت سحر خیزی تھی!
انداز روش میں اک دلآویزی تھی!
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی!

رباعی

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر !
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

ایضاً

اقبال کیسا کہ اے خرد تو بھی گئی !
غیرت کیسا کہ مذہبی بو بھی گئی !
سچ کہتے ہیں حضرت کرامت اکبر
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

(ان مراد جناب مولوی سید کرامت حسین صاحب جج ہائی کورٹ الہ آباد مرحوم)

ایضاً

پیارا ہے ہمکو۔ شیخ ہمارا برا سہی !
چاقو ولایتی نہیں دیسی چھرا سہی !
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے
دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بے سرا سہی

ایضاً

رہا کرنا ہے مرغ تہم شا کی ! !
نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی !
چھری سے ان کی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی !

ایضاً

علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی !
شملے کی بات پبلک کے دلوں میں گڑ گئی
وصل کی شب بنے اس بت سے لڑائی تھی زباں
یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی

ایضاً

سائنس سے زیادہ ہے ہب کی جڑ بڑی
توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ تو ہم جیت جائے گا
اسوقت گو ملکش نے ڈالی ہے گڑبڑی

ایضاً

کچہریوں میں ہے پرسش گریجوئیٹوں کی
سڑک پہ ہانک ہے قلیوں کی اور ٹٹوؤں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوی کی
خرابی ہے فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

ایضاً

مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
پیمانہ سے نہیں تو افیون سہی !
ہنگامہ موت بھی ہے اک جشن اکبر
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

رباعی

وحشت کی نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
فکر روزی میں شیخ کی ٹیچ ڈٹی!
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج!
مولانا سیکھتے ہیں بالفعل نٹی!

ایضاً

مذہب اور مولوی پہ گالی ہوئی!
اسٹیج پہ انجمن میں تالی ہوئی!
دروازہ منصفی ہے ہم پر کیوں بند
ہر بات تو اے جناب عالی ہوئی!

ایضاً

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی!
القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی!!
میٹھے پانی سے ہے زباں شیریں کام
جاں بخش حرارت عزیزی نہ سہی!

ایضاً

کھائی مجھے کل یہ بات بی منی کی
تفریق اڑا دو شیعہ و سنی کی!
جیسا موقع ہو اس میں بٹھا دو وہ نگین
ہیرے کی نہ شرط ہو نہ ضد چنی کی

ایضاً

ملتا نہیں گوشت خیر دہی ہی سہی
کچھ کھیل ضرور ہے پھسڈی ہی سہی
موقع جو پریڈ پر قواعد کا نہیں!
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی!

ایضاً

ملتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی
نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی
میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں
بس جائے میری عقل موٹی ہی سہی

ایضاً

ساتھ یاروں کے ہماری راحت دل اٹھ گئی
ایک دو کا ذکر کیا محفل کی محفل اٹھ گئی
قتل ہونے کی کسے امید تھی قسمت کی بات
اتفاقاً میری جانب چشم قاتل اٹھ گئی

ایضاً

حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی!
حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی!
اس زندگی نے خود ہی کیا ہے تجھے اسیر
تجھ کو یہ کیوں ہے شوق و تمنائے زندگی

رباعی

دربار سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی
مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی
روزی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر
لمینڈ ہے اور وِسکی بندہ ہے اور بندی

ایضاً

الفت نہ ہو شیخ کی تو عزت ہی سہی !
مرشد نہ بناؤ اُن کو دعوت ہی سہی !
بگڑا ہے جو دل زبان ہی کو روکو !
رونا جو نہ آئے غم کی صورت ہی سہی !

ایضاً

غلطی مجھ سے ضرور یہ اک ہوئی !
پیدا وجہ نصیحتِ نیک ہوئی !
لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی !
مِس کو جو لیا یہ مجھ سے مسٹیک ہوئی

ایضاً

دنیا آخر کو تم سے لپٹی ! ! !
ہو ہی گئے تم غرضیکہ ڈپٹی ! !
کرتے کیا اُن سے بھینٹ خالی !
اگر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی ! !

ایضاً

مجھکو ہے پسند اس سبب سے یو۔پی
یعنی یو۔پی کا قافیہ ہے روپی !
ہے فصل بہاری بھی ہم آہنگ اس کی
جب آتی ہے کرتی ہے اشارہ ٹوپی

ایضاً

گردوں کا نہ کر شکوہ اچھی نہیں خود غرضی
ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی
اکبر نے کہا واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش
الحمد رہی قائم منظور ہوئی عرضی !

ایضاً

ہم ہیں وہ خوبی و نکوئی نہ رہی ! !
پاکیزگی و خستہ خوئی نہ رہی !
تعلیم جدید سے ہوا کیا حاصل !
ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی !

ایضاً

طبع پر عبرت کی بدلی ایک دن چھا جائیگی
شوخی برقِ بتاں ان کو بھی تڑپا جائے گی
دل نئے ہیں اور تمنائیں ابھی کم عمر ہیں
رفتہ رفتہ نوجوانوں کو سمجھ آ جائے گی

رباعی

شکر خالق کی ہمیشہ مجھکو جا ملتی رہی
سانس لینے کیلئے کافی ہوا ملتی رہی
غم کے داغوں سے رہی ایذا مگر یہ بھی ہوا
مجھکو پیہم لذتِ یادِ خدا ملتی رہی

ایضاً

انہیں کے مطلب کی بات کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انہیں کی معرفت میں بولتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی
فقط مرا ہاتھ چل رہا ہے انہیں کا مطلب نکل رہا ہے
انہیں کا مضمون انہیں کا کاغذ قلم انہیں کا دوات انکی

ایضاً

امنگیں ہیں میرے دل میں جنونِ عشقِ حقیقت کی
پھر اس میں بحث کیا افتادہی تو ہے طبیعت کی
ہوائے نفس نے محروم رکھا اوجِ عرفاں سے
بتوں کے زیرِ پا دیکھی بلندی اپنی ہمت کی

ایضاً

سنتا ہوں مجھے رخصتِ فریاد ملے گی
منظور تماشا ہی ہے یا داد ملے گی!
مل جائے نظر اُن کی۔ دعا مانگ رہے تھے
معلوم نہیں تھا ستم ایجاد ملے گی!

ایضاً

نہ سہی حسنِ عمل خوبیٔ گفتار سہی!
ہے تو اکبر میں بھی اک بات گنہگار سہی
دل جو تسبیح میں مصروف ہو حاصل ہے مراد
قشقہ بالائے جبیں دوش پہ زنار سہی

ایضاً

ساری دنیا آپ کی حامی سہی!
ہر قدم پر مجھکو ناکامی سہی! !
نیک نام اسلام میں رکھے خدا
کفر کے حلقے میں بدنامی سہی! !

ایضاً

خموشیٔ شمع صفت کیوں نہ ہو زبان میری
کہ خود ہی بزم میں روشن ہے داستان میری
اگرچہ عقل سے کرتا ہوں میں حفاظتِ جاں
مگر نہ عقل میرے بس کی ہے نہ جان میری

ایضاً

ہر چند با اثر ہے تدبیر باغباں بھی!
لیکن بہار بھی ہے اک چیز اور خزاں بھی
دورانِ سر کی اپنے میں کیا کروں شکایت
گردش میں ہے زمیں بھی چکر میں آسماں بھی

رباعی

عبث اظہار خودی میں ہے یہ ہستی میری
وقت کے ساتھ اُڑی جاتی ہے ہستی میری
خس و خاشاک بھی ہو جاتے ہیں شعلے سے بلند
سوز باطن کے نہ ہونے سے ہے پستی میری

ایضاً

اللہ اللہ کتنی نازک وہ رنگیلی ہو گئی !
نام ہی بوسے کا سن کر نیلی پیلی ہو گئی !
سایۂ مغرب میں شوقِ دل نے پھیلائے تو پاؤں
چار ہی دن میں مگر پتلون ڈھیلی ہو گئی

ایضاً

دین آخرت کا واعظ دنیا ہوس کی بانی
جھگڑے میں بڑ گئی ہے انسان کی زندگانی
الفاظ سے نہیں ہے تسکین اسکے دل کو
اکبر پہ رحم فرما اے خالق معانی

ایضاً

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی ! !
اب تک میں بچا تھا آج پی لی ! !
پھاڑے مغرب نقاب نسواں !
مشرق نے تو آنکھ اپنی سی لی ! !

ایضاً

مسٹر نقلی کو عقبیٰ میں سزا کیسی ملی !
شرح اس کی مناسب ہے ملی جیسی ملی
اُس نے بھی لیکن ادب سے کر دیا یہ التماس
چارہ کیا تھا اے خدا۔ تعلیم ہی ایسی ملی

ایضاً

بیٹھے اس جا جہاں تاثیر ملت جا نہیں سکتی
بسے اُس جا کہ آوازِ اذان بھی آ نہیں سکتی
تمہیں کو ناز ہو اے نوجوانو اس طریقے پر
مری امید تو نغمہ خوشی کا گا نہیں سکتی

ایضاً

جب نور یقین نہیں بصیرت کیسی !
طاقت ہی نہیں دلوں میں ہمت کیسی
اسلام نئی روش میں کیا ہو یک رُخ
مسجد ہی نہیں تو پھر جماعت کیسی !

ایضاً

جب غور کیا تو مجھ پہ یہ بات کھلی !
دقت میں وہ ہیں کہ جو نہ صاحب نہ قلی
کالج و اسکول کی پچتی ہے ہر سو تو مڑی
چار دوقی آٹھ ہیں اور فاکس معنی لومڑی

رباعی

اب حدیث لیڈری ہے عمر رادی ہو چکی !
آفت ارضی کی شدت ہے سماوی ہو چکی
پند ہے گو نوعیا دا اللہ اخواناً کی خوب
ووٹ بازی پر مگر یہ پند حاوی ہو چکی

ایضاً

پسند آئی ہے عزلت ہیں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے
طبیعت اوج پر ہے رزق مایحتاج ملتا ہے
ہمیں اک خوشۂ گندم یہاں پروین کا خوشہ ہے

ایضاً

ضروری کام نیچر کا جو ہے کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے
خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیال مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

ایضاً

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے
تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہمکو مطمئن رکھنا
فقیر بینوا ہیں شوکت شاہی نہیں رکھتے

ایضاً

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرق مراتب ضرور ہے
بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود ہیں !
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے

ایضاً

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار میری جان یہ کوئی بات بھی ہے
لطف ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمت حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

ایضاً

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے
دل ہیں تو کیا ملیں اہل قوم کے بہم !
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے

ایضاً

ہر طرف مٹنے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشم عبرت کے لئے دنیا محل غور ہے
لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف
ہے جنون باسعل کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

رباعی

بستان بحور بنوش بزن کار دہر ہے
دل اس میں اہل دل جو لگائیں تو قہر ہے
بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہے مزا
چکھنا نہ ہمنشیں اسے واللہ زہر ہے

ایضاً

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے
اور صانعِ ازل تری قدرت کے ہیں نثار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

ایضاً

کبھی ہے صبح عید اس میں کبھی شام محرم ہے
یہ عالم چشمِ بینا کیلئے عبرت کا عالم ہے
دوا ہے کالج اور کونسل سوا اسکی ہے فراوانی
غذا ہے (راحت دل اور دولت) وہ بہت کم ہے

ایضاً

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے
اس تجارت گاہ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

ایضاً

یہی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے
امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

ایضاً

اسباب انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے
جانیکی اُس گلی میں قسم کھائی تھی مگر
مچلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

ایضاً

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمہارے
سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمہارے
ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے
اسلام تمہارا ہے مسلمان تمہارے

ایضاً

لطف تھا جنسے نظارے کا حسین وہ نہ رہے
جنسے رونق تھی مکانوں کی مکین وہ نہ رہے
میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمہیں وہ نہ رہے

رباعی

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے
منطق بھی ہے قانون شہادت بھی خرد بھی
سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

ایضاً

ادھر سے جلوۂ مضمون ادھر حسن قوافی ہے
یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے
جناب شیخ ہی کو فکر اسناد معافی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمین شعر کافی ہے

ایضاً

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے !
دل ہمارا لے کے وہ چلتے ہوئے
کیوں نہ ہوتا دیب کالج بے ثمر
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

ایضاً

کھولی ہے زبان خوش بیانی کے لئے
اٹھا ہے قلم گہر فشانی کے لئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
نظارۂ شاہد معانی کے لئے

ایضاً

سوچو کہ آگے چل کر قسمت میں کیا لکھا ہے
دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے
ہشیار رہ کے پڑھنا اس حال میں نہ پڑنا
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے وہ کہا ہے

ایضاً

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہے !
حیران ہیں ملک بشر بچارا کیا ہے !
تسکین کیلئے مگر ہے کافی یہ خیال
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے !

ایضاً

انسان یا بہت سے دلوں کو ملا سکے !
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے !
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا !
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے !

ایضاً

تو نے دل دہر سے ملا رکھا ہے !
قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

رباعی

قرآن میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطان نے فلسفے میں الجھایا ہے
قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے !

ایضاً

دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے !
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب وہ ہے اکبر
جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہے

ایضاً

ہر حال میں ہر روح انسب وہ ہے
اللہ اور رسول کا بھی مطلب وہ ہے
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو !
اکبر سمجھا کہ جان مذہب وہ ہے !

ایضاً

کلچر سے نہ ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
اکبر بخدا یہ کامیابی ساری !
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

ایضاً

دنیائے دنی محلِ آفات بھی ہے !
فکر روزی مخلِ اوقات بھی ہے !
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے !

ایضاً

انسان میں معتبر لیاقت بھی ہے
منسوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

ایضاً

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
لذت وہ ہے کہ جوشِ صحت سے ملے
ایمان کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

ایضاً

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکین
دنیا میں بشر کیلئے نعمت ہے تو یہ ہے

رباعی

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے !
اپنی ہستی کو کر رہا ہے محسوس !
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے !
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے !

ایضاً

انبساطِ نفس الگ ہے۔ روح کا وجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھکو منظور نظر
وشت وحشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے
یاد رکھو اکبر تکبر اور ہے مجد اور ہے

ایضاً

ارمان نہ شراب و بزم شاہد کا ہے
اکبر کو ہے انس کنج تنہائی سے !
سامان نہ محافل و مساجد کا ہے !
دھیان اُس کو فقط خدائے واحد کا ہے

ایضاً

کچھ شک نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے
لیکن خدا کیواسطے خلقِ خدا سے مل !
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہے
سمجھے گا اس کو وہ جو اہل شعور ہے

ایضاً

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے !
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ !
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہے
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے !

ایضاً

سنئے حکمت جو میری گفتار میں ہے
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا !
اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہے

ایضاً

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی !
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے
اکثر یہی کہ خبط ہو جاتا ہے !

ایضاً

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے !
دنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامہ شور
اس کے لئے کون سر بکف ہوتا ہے
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

رباعی

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے۔
بے غیرت و بے ذلیل ہو جاتی ہے
گو جسم میں ظاہر توانائی ہو!
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہے

ایضاً

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے!
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے!
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
شدت سے اسے علیل پایا میں نے

ایضاً

افسوس سفید ہو گئے بال ترے!
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
تو زلفِ بتاں بنا ہوا ہے اب تک
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

ایضاً

ہیں وعدۂ خالقِ دو عالم سچے!
قرآن سچا رسول اکرمؐ سچے! !
اے منکرِ دین قیامت آنی ہے ضرور
کہدیں گے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے!

ایضاً

ایسے بھی ہیں خلق جن کو فرعون کہے!
ایسے بھی ہیں جنہیں محمدؐ دعون کہے
ہیں نام بنام تم سے کہتا اکبر!
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے!

ایضاً

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

ایضاً

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
لطفِ حسنِ بتانِ دل خواہ بھی ہے
سب سے قطعِ نظر ہے مشکل لیکن
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے!

ایضاً

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے
مطلب کی کہوں تو پالیسی اڑ جائے
باقی سر قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اڑ جائے

رباعی

مذہب قانون و قوم کا باقی ہے !
خالص طاعت عروج روحانی ہے !
توہین اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ
وہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے !

ایضاً

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پہ تکیہ
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

ایضاً

آگاہ ہوں معنی خوش اقبالی سے
واقف ہوں بنائے تبر عالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبر
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایضاً

ایمان و حواس و حق پرستی کیا ہے
یہ غفلت و کفر و جوش مستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور
یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

ایضاً

جینا تھا جس قدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کئی طرح کے ملے اور پی لئے !
غم بھی رہا خوشی بھی تحیر بھی فکر بھی ؛
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

ایضاً

طاقت وہ با اثر جو سلطانی ہے !
اس جا ہے چمک جہاں زر افشانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر
اچھی وہ تربیت جو روحانی ہے !

ایضاً

انسان چاہے جو بات اچھی چاہے
بدیوں سے محترز ہو۔ نیکی چاہے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب
جس کا مطلب ہے۔ کر وہ جو جی چاہے

ایضاً

پاکیزگئ نفس کی دشمن مے ہے !
انسان کو خراب کرنے والی شئے ہے
شیطان کی ہے پرائیوٹ سکریٹری
ستم اور اسکو منہ لگائے ہے مے !

رباعی

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہئے !
ہندوں کے نہیں خدا کے ہو کر رہئے
ہے پیش نگاہ جلوۂ ارض و سما !
سبحان اللہ جوش دل سے کہئے !

ایضاً

چیخے۔ چلائے۔ کودے۔ اچھلے۔ ٹہلے۔
ہر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بدتر
یوں منہ سے جو جسکے دل میں آئے کہہ لے

ایضاً

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نور طبع پایا نہ گیا !
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

ایضاً

طبع سمجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیار۔ محل ہے نازک
اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی

ایضاً

بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے !!
جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہے
گو نبض زبان سے زندگی ہے ظاہر
دل کو جو ٹٹولئے تو وہ مردہ ہے

ایضاً

بہتر ہے یہی کہ اب علیگڈھ چلئے
رکئے نہ کسی کیواسطے بڑھ چلئے !
جس فن کا ہو درس ہو جئے اسمیں شریک
جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلئے !

ایضاً

مہدی سا بزرگ صاحبِ جاہ تو ہے
سنجیدہ کلام کے لئے واہ تو ہے
منزل کا اگر پتا نہیں ہے نہ سہی
دلکش روشنیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

ایضاً

مولانا محوِ عشق یزدانی تھے ! !
بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
بھولیں نہ کبھی انہیں محبانِ رسول
یعنی رجبی شریف کے وہ بانی تھے

رباعی

ملکی ترقیوں میں دیوانے نکالئے !
پلٹن نہیں تو خیر رسالے نکالئے !
کافی ہے بر شغلِ کلیسائے نکہ زرق
اب دل سے مسجد اور شوالے نکالئے

ایضاً

خیر دل کی ہوس دل خواہ جانے !
خیر ایمان کی حبِّ جاہ جانے !
رہی اب عاقبت کی بحث اکبر
تو اس کا حال تو اللہ جانے !

ایضاً

شوقِ شہرت بھی بُرا زر کی بُری چاہ بھی ہے
نفرت انگیز نظر میں ہوسِ جاہ بھی ہے
ہاں مگر حسنِ بُتِ زہرہ جبیں آفتِ دین
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے

ایضاً

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے
حیرت انگیز داستان میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا
میری نہیں بات گو زبان میری ہے

ایضاً

فیضِ حضرت بہر نمط ہوتا ہے !
دل کو میرے حظ بہیں فقط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح
اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے

ایضاً

یا امیٹیشن[١] کے صدقے چائے دودھ اور کھانڈ لے
یا ایجیٹیشن[٢] کے بدلے تو چلا جا مانڈلے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی
زرق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے

ایضاً

جب تک رہے زندہ آرزومند رہے
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے
اب حشر میں خلد و نار کا ہے جھگڑا
دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

ایضاً

تان اس بت نے اڑائی ہمیں بلما بھولے
ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ[٣] بھولے
صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلما بھولے

ا Imitation یعنی نقل اتارنا

٢ Agitation مخالفانہ جوش و خروش

سہ عمداً بلما کے بجائے فیصلا لایا گیا ہے مصنف

رباعی

لے لیکے قلم کے لوگ بچارے نکلے ! ہر سمت سے بیسوں رسالے نکلے !
افسوس کہ مفلسی نے چھاپا مارا ! آخر احباب کے دوالے نکلے !

ایضاً

سچ ہے کہ انہوں نے ملک لے رکھا ہے ہم لوگوں سے کمرپ کو پڑے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

ایضاً

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے ! میں لیٹا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے !
نہیں ان کو کچھ شرم لاحول قوم ! یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے !

ایضاً

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے دنیا گزران ہے ہیچ ہے فانی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو ! گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے !

ایضاً

تم کتنے ہی محو کج ادائی رہتے ! تم پر دل و جان سے ہم فدائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع لیکن جو نہ ملتے تب بھی بجائی رہتے

ایضاً

جو لوگ طرفدار علیگڈھ کے رہیں گے اس دور میں بیشک وہ بڑھ چڑھ کے رہینگے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہینگے

ایضاً

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڈھ کالج گلدان میں مسلمون کا گلدستہ ہے

ایضاً

سرحد پہ باغیوں کو سکھ ماریں گے گردن اردو کی رائم رکھ ماریں گے
قائم ہے البشیر کا یہ پرچہ ! ہم بھی کوئی مضمون لکھ ماریں گے

لکھ دوسرے مصرعہ کے قافیہ کیلئے طبع آزمائی ہونی تھی۔

رباعی

کونسل سے ہر طرح کا قانون آ رہا ہے
مطبع سے ہر طرح کا مضمون آ رہا ہے
لیکن پڑھوں میں کیونکر آنکھوں کی ہے یہ حالت
اشک آ رہا تھا پہلے اب خون آ رہا ہے

ایضاً

بڑا ہے قحط بشر مر رہے ہیں فاقوں سے
خوشی ہو گیا مجھے شبرات میں پٹاقوں سے
بجھی ہوئی ہے طبیعت یہ روشنی ہے فضول
اتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

ایضاً

جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
صاحب بنے کھائے کھیلے آرام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد
ہر حال میں ادّعائے اسلام کرے

ایضاً

سابق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے
کل آج نہ تھا۔ آج کو کل کر نہیں سکتے
الزام کہیں مشق قواعد کا نہ لگ جائے
صوفی بھی بہت کود اچھل کر نہیں سکتے

ایضاً

بزم اکبر دانش آموز نشاط انگیز ہے
ہر سخن اس کا لطیف و خوب معنی خیز ہے
بالارادہ اس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز
ناتواں بیں ہے وہ یا کودن ہے یا انگیز ہے

ایضاً

معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے
عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے
ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاع حمید و حامد سے

ایضاً

عزت کہاں ہے نہ اوج نہ نیکی موج ہے
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
اس طرز تربیت پہ ہیں اغیار خندہ زن
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی فوج ہے

ایضاً

پیری نے دانت مجھ پہ لگایا ہے گھات سے
بائیں طرف کی ڈاڑھ میں ہے درد رات سے
بارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف
پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے

رباعی

نہ یہ قید شریعت ہے نہ یہ غفلت کا پردا ہے
تمہیں دھوکے میں ڈالا ہے مثال اہل یورپ نے
رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردا ہے
اُدھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردا ہے

ایضاً

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے !
وقت بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال
ہم نفس دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہو گئے
ہم نشین اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

ایضاً

کہا جب غیر کو کیوں تو نے اے گلرو پھنسایا ہے
اُدھر چاہ ذقن ہے اس طرف ہیں جال گیسو کے
تو بولا دل لگی کے واسطے آتو پھنسایا ہے
ہمارے دل کو اس نے لڑکے بے قابو پھنسایا ہے

ایضاً

جو کام تھا گفتگو کا نکلتا ہے وہ پل سے
تاریخ تو خالد کی پڑھ صورات کو گھر پر
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
اور دن کو کچہری میں دلو نیل کمل سے

ایضاً

ایمان کی ہے تاک کا فری ہے تو یہ ہے
نظم اکبر ہے دافع جادو کفر
تقویٰ بیدم ہے ساحری ہے تو یہ ہے
ماشاءاللہ شاعری ہے تو یہ ہے

ایضاً

مہمان فلک کہاں سکون پاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
آسودہ جو ہیں انہیں بھی ٹہلاتا ہے
ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے

ایضاً

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے !
کہتا ہے وہ شوخ تال سم ٹھیک نہیں
بیچارہ بلا میں مبتلا روتا ہے !
کیا اُس کی سنوں کہ بے سرا روتا ہے !

ایضاً

رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
لیکن قربان حکمت پیر مغان
منطق بھی ہے دلیل ملحد بھی ہے
دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے

رباعی

دھن نوکری کی ہے نہ پری ہے نہ حور ہے
اب فکر پاس کی ہے قیامت تو دور ہے
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ روز
امید بے اصول سے اب دل نفور ہے

ایضاً

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھ کو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن !
اُس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے !

ایضاً

خلقت اسی سمت صف بہ صف جاتی ہے
باعود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

ایضاً

ہر چند کہ مجھکو اعتقاد اب تک ہے
تاہم بلحاظ وقت دل میں شک ہے !
بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر ہیں حضور
کیا جانے مراقبہ ہے یا پینک ہے !

ایضاً

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق بتاں اک روگ ہے
لیکن اسکو کیا کریں ملتا جو موہن بھوگ ہے
شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹال دیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

ایضاً

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے میل سے
سچ ہے خبیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے
چہرے کے نیچے قہر ہے ڈاڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

ایضاً

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ کھول ڈالیے !
اکدم میں کل متاع سخن تول ڈالیے
ترکیب ہے ترقی اردو کی بس یہ خوب
جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالیے

ایضاً

واہ اکبر بس مقیم کول ہو کر رہ گئے !
خود فروشی کی نہیں -- انمول ہو کر رہ گئے
عرض و طول ہند میں تم نے نہ دوڑائے خطوط
دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے

رباعی

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح
بے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
لیکن خوش ہو جیئے کہ نام آپ کا ہے

ایضاً

مذہب جسکی نظر سے بالکل گم ہے!
شائستہ جو ہو تو اس کو پونیلہ سمجھو!
کیونکر میں کہوں وہ داخل مردم ہے!
ایسا جو نہ ہو تو اک خر بے دم ہے

لہ انگریزی Pony بمعنی ٹٹو

ایضاً

اب کہاں تک بتکدے میں صرف ایمان کیجئے
ہے یہی بہتر علیگڑھ جا کے سید سے کہوں
تا کجا عشق بتاں سست پیمان کیجئے!
مجھ سے چندہ لیجئے مجھکو مسلمان کیجئے

ایضاً

چٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
ایسی پڑی اور مجھکو پیارا لکھے!
دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے!

ایضاً

ہندی مسلم ہیں ہند کی نیو بھی ہے!
اللہ اللہ ہے زباں پر بے شک
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہے
لیکن اک رنگ بم مہادیو بھی ہے

ایضاً

ہیں لمپ عزیز شمع بیگانہ ہے!
سب کی ہے مسوں کے روئے روشن پہ نگاہ
جلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے
جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے!

ایضاً

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اُس نے
سنتوں پہ شراب فاقہ مستی لائی!
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اُس نے
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اُس نے!

ایضاً

نکتہ یہ سنا ہے اک بنگالی سے!
خالی ہو جگہ تو اپنے کھائی کو دو!
کرنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے
غصہ آئے تو کام لو گالی سے!

رباعی

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے
طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں دل سیر ہے
عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا فاضل عنقریب
ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے

ایضاً

مغربی کل نے مجھکو پیسا ہے !
میرا چونا اور کلیسا ہے ! !
آپ ہی گا کے جھوم بیتے ہیں !
بار بد ہے نہ اب نکیسا ہے ! !

ایضاً

انگریز میں عظمت جہانبانی ہے
ہم ہیں اِک شان علم روحانی ہے !
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں
بازو نہ قوی نہ قلب روحانی ہے !

ایضاً

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے !
رنج پیدا ابھی جو ہو دل میں تو اتنا نہ بڑھے
حرص گھٹ جائے وہی نعمت عظمٰے ہوگی
میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے

ایضاً

رنگ دیکھے جہان فانی کے ! !
کھیل ہیں دور آسمانی کے !
شیخ سے مجھسے اب نہیں ہے بگاڑ
ہو چکے ولولے جوانی کے ! !

ایضاً

تکلف انہیں کے لئے کیجئے ! !
فقیروں کی کیا ہے جہاں پڑ رہے
بتوں سے بھی لڑتی نہیں یاں تو آنکھ !
برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے !

ایضاً

دنیا میں امر حق کو کس طرح صاف کہئے
کرتا ہے دشمنی وہ جس کے خلاف کہئے
یہ سرسری اشارہ کافی نہیں ہے حضرت
اپنی زبان سے بھی لفظ معاف کہئے !

ایضاً

نہیں ہے علم اِن میں جہل کی مستی کا جھگڑا ہے
یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے
فقط اک ہستیٔ اعلیٰ کا پرتو دل میں پڑتا ہے
جو کچھ اس کے سوا ہے وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

رباعی

معزز مسلم نے نوش اب ہے گو وہ فاسق ہے
شریک اسکے ہیں فاتح اور فنیشن کیمطابق ہے
یہ دعویٰ ہے غلط تو ڈارون صاحب خطا بخشیں
خدا انسان کا خالق ۔ خدا بندر کا خالق ہے

ایضاً

نہیں دشوار کچھ صحبت پر اس کی شرط بدنا ہے
جو دنیا دار ہے وہ قاعدے کی رو سے دنی ہے
ستار مجھکو ملی تو جل گئے واعظ لگے کہنے
خری کی ہوگئی تکمیل باقی صرف لدنا ہے

ایضاً

کسی محفل میں تم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے
سند جب ہے کہ ابھرے ذکر حق نام خدا چمکے
یہ جگنو بھی نئی روشنی سے ملتے جلتے ہیں
اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

ایضاً

چکر آیا اک سا جھولا جھولے !
قومی عزت کی ہسٹری کو بھولے !
جنت کا خیال ہے نہ باغ دل کا
گملوں ہی پہ اب تو رہتے ہیں ہم پھولے

ایضاً

رفتار ترقی پہ کہیں ناچ نہ ہو جائے
یہ قرأت مصری کہیں کھماچ نہ ہو جائے
توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل
مغرب کی مگر کوک سے یہ داںچ نہ ہو جائے

ایضاً

ہیٹ پہونچی شیخ کے سر پر جو دلکے جوش سے
اور بھڑکے شعلہ ہائے فتنہ اس سرپوش سے
بنگئے صاحب ہنر صاحب کا کیا ہے آپ ہیں
کیا کلیں چمکیں گے سقف بنگلہ خس پوش سے

ایضاً

بیدل ہمیں بروز سلو تو نہ کیجئے ! !
للہ بات ملنئے نو نو نہ کیجئے ! !
کل کی صدا نہ خوبی فطرت نہ لطف دید
بہتر یہی ہے خواہش فو نو نہ کیجئے ! !

ایضاً

جن لوگوں نے مسلموں کو بہکایا ہے !
کامل کب ان کو علم و فن آیا ہے
جو فلسفی ہیں اصیل وہ ہیں خوش !
الحاد تو ٹینیوں نے پھیلایا ہے

رباعی

تھا امن کسی قدر سو وہ دن بھی چلے
ظاہر ہی کے سمت اہل باطن بھی چلے
مجلس یہ ہوا اضافہ کانفرنس !
مسلم تو جا چکے تھے مومن بھی چلے

ایضاً

اُنظُر اِلیٰ الاِبِل کا تصور جو دل میں ہے
یہ وجہ ہے کہ آجتک آنرابل میں ہے
کمسریٹ اب بھی اس کا ہے محتاج دیکھئے
معذور اگرچہ اس کا قدم آب و گل میں ہے

ایضاً

یہ پردہ درکو سوئے قوم کس نے بھیجا ہے
۴ کہ جسکی بحث سے مجروح ہر کلیجہ ہے
یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
ازار بند کو کہدینگے حبس بیجا ہے

ایضاً

باز آئینگے نہ پولٹیکل انٹریگ سے
جب کچھ نہیں تو لاگ لگائیں گے لیگ سے
اک شغل زندگی ہے بہار نمود ہے
منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ سے

ایضاً

وہ نیو قوم کی ہے نہ پشتہ نہ بھیت ہے
بگڑے جو بن رہے ہیں یہ دنیا کی ریت ہے
ہنگامہ طرب نہیں یہ شورش رفارم
رنج و محن کا ساز ہے چکی کا گیت ہے

ایضاً

ممدوح مشرق غرب و شمال و جنوب تھے
تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے !
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تم سے کہ کیسے ہیں
ہاں اس میں شک نہیں - ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

ایضاً

نقش ماضی منظر بے معنی و مفہوم ہے
مصلحت فطرت کی ہے یا ذہن کا مقسوم ہے
بہ رہا ہے لاکھوں ہی موجیں یہ بحر فنا
ورد کے قابل فقط یا حیُّ یا قیومُ ہے

ایضاً

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے
پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے .

رباعی

مادہ نہیں اتنی مضطرب نر کے لئے !
آمادہ ہیں جس قدر وہ ادھر کے لیئے !
نو حصہ تم اپنی نوکری کو دے دو !
دسواں حصہ تو ہو پیمبر کے لیئے !

ایضاً

بے دینوں کو جوش مستی کیا ہے !
بندوں میں یہ خود پرستی کیا ہے !
کہتی ہے فلک کی گردش ان سے
تم کیا ہو تمہاری ہستی کیا ہے !

ایضاً

ہے جلوۂ مہر پر تو ماہ تو ہے ! !
سینے میں تمہارے قلب آگاہ تو ہے
ظاہر جو نہیں ہے حامئ دین کوئی !
بیدل کیوں ہو رہے ہو اللہ تو ہے

ایضاً

لطف امروز اور ہے اور فکر فردا اور ہے
راہ دنیا اور ہے اور راہ عقبیٰ اور ہے
نوجوان سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف
چشم بینا اور ہے اور چشم تماشا اور ہے

ایضاً

مہمان فلک کہاں سکون پاتا ہے
آسودہ جو ہیں انہیں ہی ٹہلاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
ظاہر یہ ہے کہ پیٹ دوڑاتا ہے !

ایضاً

قائم یہی بوٹ اور موزا رکھئے !
دل کو مشتاق مس ڈسوزا رکھئے !
ان باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی !
پڑھئے جو نماز اور روزہ رکھئے !

ایضاً

دیکھ آئے تو تم سنتے تھے جسے ! !
چند لڑکے ہیں مشن اسکول کے
بار آور پارک میں یہ ہوں گے کیا
گملوں ہی پر رہ گئے ہیں پھول کے

ایضاً

کالج ہے دینی فوائد کے لئے !
قائم ہے یہ ایسے ہی مقاصد کے لئے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں
کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لئے

رباعی

کہتا ہوں تو تہمتِ حسد ہوتی ہے
دنیا طلبی ضرور ہے انسان کو !
خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے
لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

ایضاً

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے
دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہ مستحق داد
اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے
منزل سے اس کو کام ہے اُسکو کلیل ہے

ایضاً

قرآن کو زبان سے دل میں اتاریئے
چشم و زبان میں کیجئے پیدا اثر جناب
علمی نمود چھوڑ عمل کو سنواریئے
بعد اس کے بندگانِ خدا کو پکاریئے

ایضاً

انگریز خوش ہے مالک ایروپلین ہے
بس اک ہمیں ہیں ڈھول میں پول اور خدا کا نام
ہندو مگن ہے اُس کا بڑا لین دین ہے
بسکٹ کا صرف چوڑ ہے لمنڈ کا بچھین ہے

ایضاً

ضرورت کچھ نہ تھی اس کی کہ آپس میں بھی ہو جائے
حیاتِ مذہبی سے بھاگتا تھا کھیل گڑیوں کا
سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈے
کہاں کی قوم ہاں کچھ بنگئے ہیں نازنین گڈے

ایضاً

بعد مردن کچھ نہیں یہ فلسفہ مردود ہے
شیخ کالج چاہیئے دیندار اور صاحب اثر
قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہے اور موجود ہے
ورنہ کیسا ہی ہو عمدہ کورس وہ بیہودہ ہے

ایضاً

مجھ سے ہے عذر غیر کو کونسل کا ووٹ ہے
ترکیب صلح کل نہ نبھی دل پہ چوٹ ہے
واللہ اس ستم کی میرے دل پہ چوٹ ہے
سب سے بچے تو لیجئے کونسل کا ووٹ ہے

ایضاً

اگر میں ہوں تو سب کچھ ہے جو سب کچھ ہے تو ہے جھگڑا
جو روز افزوں نہیں ترکِ تعلق آپ کا اکبر
اسی میں کی خبر لینا ہے کچھ ہے بھی کہ دھوکا ہے
تو پھر یہ شاعری کیا واہ وا کا اک تماشا ہے

رباعی

معاذ اللہ دورِ چرخ کیا کیا رنگ لاتا ہے
جنہیں آتا تھا ہم پر رشک اب ان کو رحم آتا ہے
نسیم صبح اور کلیاں تو دیکھیں اس لگتا نہیں
ہم ایسے دل گرفتوں کو بھی یاں کوئی نبھاتا ہے

ایضاً

ایک پاتا ہے ایک کھوتا ہے ! !
ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے !
سارے اسباب ہیں اسی کے مطیع !
جو خدا چاہتا ہے ہوتا ہے !

ایضاً

اکبر جگر افگار ہے رسوا بھی بہت ہے
عزت کیلئے عشق میں اتنا بھی بہت ہے
مطلوب نہیں زینتِ دنیا کا نظارا !
اب دیکھ بھی سکتا نہیں دیکھا بھی بہت ہے

ایضاً

نہ کھول آنکھ کسی عکس بے بقا کے لئے
صفائے دل پہ نظر رکھ فقط خدا کے لئے
رضا کی شرط یہی ہے کہ کچھ طلب نہ کرو
دعا سے ہاتھ اٹھاتا ہوں میں خدا کے لئے

ایضاً

ایک جمتا ہے ایک پگھلتا ہے !
کام دنیا کا یونہی چلتا ہے ! !
دلِ تعلق بڑھا کے پچھتایا ! !
پاؤں پھیلا کے ہاتھ ملتا ہے !

ایضاً

کھلتی نہیں کوئی راہ عمل اور وقت گذرتا جاتا ہے
الجھی ہوئی ہے غفلت میں یہاں اور دل ہے کہ مرتا جاتا ہے
مایوسی نے محفوظ کیا امیدوں کی بیتابی سے
اب اشک نہیں تھمتے جاتے ہیں اور دل بھی ٹھہرتا جاتا ہے

ایضاً

اپنے عیبوں کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے
غلط الزام بس اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے اسلام پھیلا
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

ایضاً

طبیعت سے خیالاتِ غم افزا جا نہیں سکتے
بُرا ہو حافظے کا داغ دل مرجھا نہیں سکتے
فلک کیا اس چمن میں جوش دل کا مجھ سے طالب ہے
کہ شاخیں ہل نہیں سکتیں عنادل گا نہیں سکتے

رباعی

کسطرح کہتا کہ جو چاہوں وہ ہونا چاہئے
کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا چاہنا کیا چاہئے!
کہدیا میں نے کہ ہوں اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا
اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہئے

ایضاً

فریبِ ہستی کا کھل گیا ہے نگاہ دنیا کو پا گئی ہے
عمل کی توفیق خدا دے سمجھ تو کچھ مجھکو آگئی ہے
کہاں کے ارض و سما، کو کب کہاں کے ہم تم کہاں کے یہ سب
قدم کی اک موج ہے زمانہ سو یہ بھی اک لہر آگئی ہے

ایضاً

یہ عقل ہی ہے محب کبھی عدو بھی ہوتی ہے
کہ مانتی بھی نہیں مضطرب بھی ہوتی ہے
وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست بندوں کو
غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے

ایضاً

کریں کیا یہ تو ان حضرات کو مطلب سکھاتا ہے
کہیں کیا یہ مناسب وقت میں مذہب سکھاتا ہے
جہاں قول و عمل یکساں ہے اور ہے اک دلی طاقت
تو ان کا پوچھنا کیا ان کو ان کا رب سکھاتا ہے

ایضاً

لحد کی تیرگی سے حق بجانب دل کی وحشت ہے
یہی وہ شب ہے جسکی صبح بھی صبحِ قیامت ہے
مصیبت بہرِ مومن پر تو عرفان ہے اے اکبر
ظہورِ داغِ دل دیباچہ صبحِ سعادت ہے

ایضاً

دخلِ واعظ صرف استحقاقِ جنت ہی میں ہے
فیصلہ جینے کے حق کا دستِ فطرت ہی میں ہے
کینہ و پیکار میں بھی یوں تو ہے اک حظِ نفس
زیست کا اصلی مزا لیکن محبت ہی میں ہے

ایضاً

نفس نابینا حریص و طالبِ لذات ہے
عقل کی خدمت فقط ترتیبِ محسوسات ہے
ان مشاغل میں تو اے اکبر نہیں کچھ اوجِ دل
روح کی طاقت جو غالب ہو تو ہاں اک بات ہے

ایضاً

مذہب کیواسطے نہ شرافت کے واسطے!
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھکو سپریڈ میں
تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

رباعی

آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں
ہوش آئیگا انہیں موت کی بیہوشی میں
عشق پاتا ہی نہیں موقع فریاد بجا!
حُسن کو دخل بہت کچھ ہے ستم پوشی میں

ایضاً

دوستوں کیساتھ اگلی گرمجوشی اب کہاں
خون دل پینا پڑا ہے بادہ نوشی اب کہاں
باغباں کانٹوں نہیں الجھانے کا رکھتا ہے خیال
صحن گلشن میں بہارِ گُل فروشی اب کہاں

ایضاً

میکدے میں رہکے ہم تقویٰ کو راضی کیا کریں
محتسب کی جب قضا آجائے قاضی کیا کریں
حال ہی سے لے مدد حیّ یا قیوم پڑھ
ہسٹری تو ہو چکی ایامِ ماضی کیا کریں

ایضاً

فطری خوبی ہے مبتلا فالج میں
نبض داخل ہے میوزیکل کالج میں
داخل میں نوائے ساز کی کس کو خبر ہے
رعشہ ہر عضو کو ہے مگر خارج میں

ایضاً

ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں
جھگڑے کیلئے اخبار وں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں
آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

ایضاً

عجم کی زینتیں سیکھیں مباحات عرب سیکھیں
زمانے کی ترقی جو سکھائے اُن کو سب سیکھیں
مگر اک التماس ان نوجوانوں سے میں کرتا ہوں
خدا کیواسطے اپنے بزرگوں کا ادب سیکھیں

ایضاً

ہجوم عیش طرب میں اُداس ہو جاؤں
ہزار امید ہو اور میں یاس ہو جاؤں
خدا شناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبر
یہی بہت ہے جو روشناس ہو جاؤں

ایضاً

جس طرف اٹھ گئی ہیں آہیں ہیں!
چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں!!
ذرہ ذرہ ہے خضر شوق تو ہو!
جینے والے کو لاکھ راہیں ہیں!!

رباعی

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں　　شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں
ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں　　ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

ایضاً

بے سود اشعار اور کتب ہوتے ہیں!　　مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں
گر پیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار　　یہ بت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں

ایضاً

ماشاء اللہ وہ قہر ڈھاتے ہیں!!　　بنگالی بھائی ان کا حق پاتے ہیں!
بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر!　　ان کی گاتے ہیں اپنے گھر جاتے ہیں!

ایضاً

یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں　　جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر　　تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

ایضاً

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں　　شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہری　　خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

ایضاً

آپکی صورت بہت اچھی ہے اس میں شک نہیں　　پھر مجھے کیا ذہن میں اس کا جواب اب تک نہیں
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف　　آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں ازبک نہیں

ایضاً

گو کہ وہ کھاتے پڈنگ اور کیک ہیں!　　پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می اکس ڈیڑھ　　سر جھکا کر کہتے لو می ٹیکٹ ہیں!

ایضاً

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں　　کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری برا نہ مانو اے شیخ　　وسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

رباعی

وہ لطف اب ہندو و مسلماں میں کہاں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث
اغیار ان پہ گذرتے ہیں خندہ زناں
ہے سخت مضر یہ نسخہ گاؤ زباں !

ایضاً

چندوں ہی کے سو جھتے ہیں انکو مضموں
بڑھکے انہیں دیکھکر مچاتے ہیں دھوم
دل شاد ہو اُس سے قوم یا ہو محزوں
یہ ہیں نئی روشنی کے چندہ ماموں !

ایضاً

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
سید بننا ہو تو ہنو سر سید
اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
ہونا ہو خاں تو تم ہو انگریزی خاں

ایضاً

تھا تصور مالک آزادی رندانہ ہوں
پہلے تھا اس بت کے گرد اپنا ہی بچوں کی فوج
لیکن اب بالکل اسیر انتظام خانہ ہوں
عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ایضاً

مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں
گویا قزاق بھی ہوئے ہیں اب اسیر
آپس ہی کے لوگ باعث خواری ہیں :
اپنوں ہی میں کچھ گواہ سرکاری ہیں

ایضاً

حیران ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں
تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہیں نصیب
جائز بھی شراب مگر پی کے کیا کریں
پھر گھر میں بیٹھکر بجز اسے پی کے کیا کریں

ایضاً

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں !
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف
اور تیرے بیان کی دلآویزی میں !
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں !

ایضاً

یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہی ہو اور ایسا نہ ہو
دل امید و بیم فردا سے نہ ہو زیر و زبر
یہ دعا ہے ان حوادث کی مجھے پروا نہ ہو
ہے یہی کافی حصول مدعا ہو یا نہ ہو

رباعی

ترکیب دعا کیلئے پیروں کے ہو پیرو
جب وقت دعا ہو تو خدا ہی کو پکارو.
محفوظ رہو شرک سے ہادی کو بھی مانو
میرا تو یہی قول ہے سن لو اپنے یارو

ایضاً

قاصد ملا جب ان سے وہ کہیلتے تھے پولو
خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو
روئی ملے جو سکھے سے کافی ہے اللہ اللہ
امت کدہ ہے دنیا ہر شے کو کیوں ٹٹولو

ایضاً

تم ملو یا نہ ملو مجھے ہو یا نہ منو !
ساتھ رہنا ہے اسی ملک میں اے ہموطنو
اہل مغرب سے یہی کہتا ہوں مبارک ہو یہ قد
آسمان تنگ ہو تم پر مگر اتنا نہ تنو!

ایضاً

جو اصل کار دین ہے وہ فقط وحدت فقط اک ہو
مذاہب کو بہت جانچا بس اپنے منہ میاں مٹھو
جو سچی بات تھی کہدی وہ میں نے دو ہی مصرعوں میں
پڑھیں اب اپنی تصنیفونکو لاکر پیرو جستجو

ایضاً

خوشدلی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور انکو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو
مرض عشق بھی کیا چیز ہے جس سے صحت
آرزوئے دل رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

ایضاً

بہت رہتی ہے حیران دیکھکر گو قدرت تیری کو
ادا کرتی نہیں چشم تماشا حق حیرت کو
بہت خوش ہے کہ فطرت حسن کے مطابق ہے
ہمارے طفل دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

ایضاً

خاطر مضبوط دل توانا رکھو ! !
امید اچھی خیال اچھا رکھو !
ہو جائیں گی مشکلیں تمہاری آسان
اکبر اللہ پر بھروسہ رکھو :

ایضاً

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

رباعی

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
آزاد وہ ہے کہ جو مودب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ
اسپیچ وہ ہے کہ اس میں یارب بھی ہو

ایضاً

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو!
حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو!
ہرگز نہ پڑھیں گے اس سے نیچر کے مرید
ممکن نہیں جسم روح پہ غالب ہو!

ایضاً

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق اور بھاپ کو
برق گر جائیگی اک دن اور اڑ جائیگی بھاپ
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

ایضاً

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو!
بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو!
جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو!

ایضاً

جس بات میں تم شکست ملت سمجھو!
اس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندہ نفس ہو مخالف اس کا!
قومی غیرت کی اس میں قلت سمجھو

ایضاً

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

ایضاً

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو!
باتیں جو بری ہیں ان سے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر
اس میں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

ایضاً

دنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

رباعی

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
غالب ہے اسی کی بات خاموش رہو
بدلا ہی نہیں مجلس دہر کا رنگ !
مستی کی ہوس نہ ہو تو بے ہوش رہو

ایضاً

اے جد بزرگ کے نواسو پوتو ! !
تم میں کوئی کروڑپتی ہو تو ! !
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت !
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو ! !

ایضاً

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہو پیدا ہو جائے
لیکن یہ تکلفات مطلوبہ نہ ہو

ایضاً

ہوئی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکتے تم کو غلام
ہے اپنے ہی نفس کی غلامی تم کو

ایضاً

تدبیر کریں تو اس میں ناکامی ہو !
تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو !
القصہ عجب مضیق میں ہیں ہندی
یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو !

ایضاً

دیکھی جو نمائش شکاگو [1] ! !
دل نے کہا دین سے کہ بھاگو !
اتنے میں اجل پکاری سر پر !
بس ہو چکا خواب زیست جاگو !

[1] ملک امریکہ میں ایک مقام کا نام ہے۔ جہاں ایک عظیم الشان نمائش ہوئی تھی۔

ایضاً

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو
کانٹوں سے ہو محترز گل تر دیکھو
نظم اکبر ہوئی ہے منقوش قلوب
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

ایضاً

ادبار کے ہیں یہ دن اولوالعزم نہ ہو
ہوتی ہے شکست مائل رزم نہ ہو !
رونق محفل کی اب نہیں ہے تجھ سے
گوشے ہی میں بیٹھ عازم بزم نہ ہو !

رباعی

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
سچی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

ایضاً

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
ویران ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
باقی نہ رہے پھول تو اب پات بھی توڑو

ایضاً

پالیس کے کرپے خوشامد باندھو!
یا حجرے میں گھس کے بیٹھو تہمد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے اے شیخ
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

ایضاً

دیندار بنو درست دین ہو کہ نہ ہو!
قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو
مذہب پہ جمے رہو یہ ہے شیخ کا قول
کہدو کہ یقین ہے یقین ہو کہ نہ ہو!

ایضاً

افسوس ان پہ فلک نے پایا قابو!
مطلق نہیں ان میں رنگ ڈھونڈو یا بو
شیخی کو چھوڑ میرزا پہلے بنے!
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو

ایضاً

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ!
گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ!

ایضاً

شوق لیلیٰ سول سروس نے مجھ مجنوں کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو!
جامہ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں
پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو!

ایضاً

دقیانوسی طریق سے منہ موڑو!
شیرازہ مذہبی لغت کا توڑو! !
بھوکے سے کہو کہ حد تہذیب میں رہو
آنتوں سے کہو کہ قل ھو اللہ چھوڑو

رباعی

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
باہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
ہمکو تو پیر طریقت نے یہی دی ہے صلاح
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو!

ایضاً

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ
جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کر خوان نعمت پہ
کباب کرتا ہے اب مجھکو انتظار پلاؤ

ایضاً

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو!
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو!
بنتو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور
کہتا ہوں کہ دعوئے خدائی نہ کرو!

ایضاً

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنا لو اپنا تم
وہ یہ کہتے ہیں یہ اس سے کہئے جو شیطان ہو

ایضاً

ہر آرزوے دل کی تم پیچ نہ کرو!!
لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے
ہو انیت یہ سخت ہے اسے پیچ نہ کرو

ایضاً

باتیں ہرگز خلاف عزت نہ کرو!
دم بھر میں شرارت و بغاوت نہ کرو!
بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو!
پتلون پہن کے ترک طاعت نہ کرو

ایضاً

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس اک سخن بندہ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

ایضاً

سنیں تو آپ قناعت کے غل مچانے کو
وہ کہہ رہی ہے نہ چھوڑو غریب خانے کو
تمہاری حرص بدل کر تمہیں کریگی ہلاک
ہمارا صبر بدل دیگا اس زمانے کو

رباعی

میں کیا کہوں شکایت کل کیا تھی آج کیا ہے
جیسا ہی رنج دہ ہے اس کا علاج کیا ہے
قوت نہیں ہے جس میں کیوں چاہتا ہے نیت
جب تخت ہی نہیں ہے پھر فکر تاج کیا ہے

ایضاً

مجھے حیات کی اب احتیاج ہی کیا ہے
مگر مروں نہ تو اس کا علاج ہی کیا ہے
سنا تھا کل کہ ترقی ظہور پائے گی کل
مگر جو غور سے دیکھا تو آج ہی کیا ہے

ایضاً

بتوں کی بات سے دل مائل فریاد ہوتا ہے
مگر کہنا ہی پڑتا ہے بجا ارشاد ہوتا ہے
ہے صیاد کی تعلیم کی ہے دھوم گلشن میں
یہاں جو آج پھنستا ہے وہ کل صیاد ہوتا ہے

ایضاً

لو رہے جب تو یہ مشکل ہے تردد نہ رہے
یہ تو اس وقت نہ رہ جائے کہ تو خود نہ رہے
چھاونی میں رہیں صاحب تو وہیں لیڈر بھی
یعنی کیوں ساتھ سلیمان کے ہدہد نہ رہے

ایضاً

نفس تو کہتا ہی ہے ہر دم یہ کرنا چاہیئے
کیوں کوئی پوچھے کہ کیونکر جی کے مرنا چاہیئے
نفس کی خواہش کے آگے عقل کی سنتا ہے کون
میں کہوں کس سے کہ اس غفلت سے ڈرنا چاہیئے

ایضاً

ہو اگر سینے میں ناسور ہوا جاتا ہے !
غم سے دل خون تھا اب نور ہوا جاتا ہے
دیکھ ہی لو گے زمانے میں قیامت برپا
نالۂ خستہ دلاں صور ہوا جاتا ہے

ایضاً

تم دیکھتے ہو اکبر دنیا کا رُخ کدھر ہے
یہ وقت الاماں ہے یہ وقت الحذر ہے
حیرت سے دیکھتا ہوں ہر صاحب خرد کو
اس کی زباں کدھر ہے اس کا دل کدھر ہے

ایضاً

کیا ہو رہا ہے دل میں اثر کچھ نہ پوچھیئے
کس پر پڑی ہے میری نظر کچھ نہ پوچھیئے
کیا کر رہی کبر شکن قدرتِ خدا !
ہے پوچھنے کی بات مگر کچھ نہ پوچھیئے !

رباعی

دنیا سے قطع خوب اگر خوش نہ رکھ سکے
آنکھوں کو بند کر جو نظر خوش نہ رکھ سکے
دنیا کی لذتیں جو ملی تھیں وہ ہو چکیں
خوش کر لیا تھا دل کو مگر خوش نہ رکھ سکے

ایضاً

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے ! !
خدا کیا ہے خدا ہے اور کیا ہے !
بڑھاتے کیوں ہو تم لفظوں سے آگے
بساط ذہن پر یہ جوڑ کیا ہے !

ایضاً

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے
شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے
شکم کی پیٹھ ٹھونکی نفس امارہ نے خوش ہو کر
صدائے باطنی اٹھی کہ یہ کمبخت کافر ہے

ایضاً

دل کی بیتابی ہے ثابت آنکھ کے اظہار سے
بجلیاں پیدا ہوئی ہیں آنسوؤں کے تار سے
جب طبیعت خوش نہیں تو کیا کرے اچھا مکان
دل بہل سکتا نہیں اپنا در و دیوار سے

ایضاً

جرح کیا ہم بھی جو چشم سرمگیں پر پس لئے
یہ بلائیں اس تماشا گاہ میں تھیں کس لئے
سجدۂ دیر و حرم سے معرفت کس کو نصیب
سنگ در آیا نظر خلقت نے ماتھے گھس لئے

ایضاً

عقل نے اچھی لکھی کل لالہ مجلس رائے سے
جھک کے ملنا چاہئے ہم سب کو وائسرائے سے
شر کیسا ہی ہو لیکن قافئے اسکے ہیں خوب
کون ایسا ہے کہ جو ہو مختلف اس رائے سے

ایضاً

مقابل غیر مذہب کے تو مذہب جوش رکھتا ہی
عموماً ورنہ اپنے آپ کو بے ہوش رکھتا ہے
بہ حق کے جو سالک ہیں وہ مستثنےٰ ہیں اے اکبر
کہ ان کو ساقیٔ توحید ساغر نوش رکھتا ہے

ایضاً

حسین جیسے ہو تم یونہی جو خوش اخلاق ہو جاتے
زمانہ مدح کرتا شہرہ آفاق ہو جاتے !
حواس و ہوش رخصت ہو چکے دم بھی نکل جاتا
تو فطرت کے جو قرضے ہیں وہ سب بیباق ہو جاتے

رباعی

خلق مجھسے طالب پابندی اخلاق ہے
دل کے ٹکڑے کر دیئے غم نے جگر خون ہو گیا
میری یہ حالت کی مجھ پر تھینکیو بھی شاق ہے
ہوش کا یہ تو ستم دیکھو کہ اب تک چاق ہے

ایضاً

یار کا حسن سب پہ فائق ہے !
ان مصائب سے کام ہے اکبر
واقعی دیکھنے کے لائق ہے !
غم بڑا مدرک حقائق ہے !

ایضاً

شکر ہے سنی و شیعہ کا ارادہ نیک ہے
گھر میں گو یہ فرق ظاہر ہو کہ حلوا یا پلاؤ
طرز طاعت دو سہی ترکیب کالج ایک ہے
خوان مغرب پر مگر دونوں کے آگے کیک ہے

ایضاً

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے
عالم میں جب جو مستند و باوقار ہیں
کالج کے چونے لپٹے ہیں میٹری کی ٹانگ سے
گو بچا ہوا پریس سے وفاقی کے سانگ سے

ایضاً

کیا تصور ہے کہ دل جس سے دہل جاتا ہے
وہی فطرت کہ جو تھی حفظ بدن پہ مامور
دم نکلتے ہی وہ قانون بدل جاتا ہے
اسی فطرت سے بدن خاک میں گل جاتا ہے

ایضاً

الحذر اس درد سے جو مشتعل ہو کر رہے
بزم ہستی میں رہا اکبر تو کیا اس کی خوشی
الاماں اس یاد سے جو زخم دل ہو کر رہے
حکم جب یہ ہے کہ بے حد مضمحل ہو کر رہے

ایضاً

معاذ اللہ کیا بیداد ئے تقدیر بسمل ہے
وہی قانون فطرت ہے جسے تقدیر کہتے ہیں
تڑپنا سامنے قاتل کے گستاخی میں داخل ہے
جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہے

ایضاً

کتمان راز عشق مرے آب و گل میں ہے
افعی زلف مس کا تو سودا برا نہیں !
خاموش ہے زبان جو کچھ ہے وہ دل میں ہے
پیچیدگی جو کچھ ہے فقط اسکے بل میں ہے

رباعی

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے ۔ اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے
غفلت نے کر دیا جنہیں آزاد وہ نہیں ۔ میری نگاہ میں تو یہ دنیا ہی جیل ہے

ایضاً

بلا زینت رنگین دل کو راحت مل ہی جاتی ہے ۔ کلی بیرون گلشن ہو تو وہ بھی کھل ہی جاتی ہے
بھروسہ انتظام عافیت کا کیا ہے دنیا میں ۔ کہ سر بنیاد آخر اک نہ اک دن ہل ہی جاتی ہے

ایضاً

خدا کہاں ہے جواب اس کا ہر مقام میں ہے ۔ نہ سمجھے کوئی تو کہدو کہ اپنے نام میں ہے
بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا ۔ عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

ایضاً

ہمیں تو خامشی میں دل سے کام لینا ہے ۔ زبان وہ بزم میں کھولیں جنہیں انعام لینا ہے
نہایت خوش نما کھولی ہیں راہیں آپ نے لیکن ۔ وہ رکھیں پاؤں جنکو اپنے سر الزام لینا ہے

ایضاً

چشم و دل میں عکس دنیا کا ہجوم عام ہے ۔ مشتبہ ہنگامہ ادراک کا انجام ہے
چشم ابراہیم و دور انجم و شمس و قمر! ۔ اس کو کہتے ہیں نظر اور عقل کا یہ کام ہے

ایضاً

کہاں دلوں سے شریعت کا کام چلتا ہے ۔ فقط زبان سے بزرگوں کا نام چلتا ہے
ہوئی طریق بزرگان کی پیروی مفقود ۔ بس ان کے نام پہ لٹھ صبح و شام چلتا ہے

ایضاً

فلسفہ غم کا جسے معلوم ہے !! ۔ ہو مبارک وہ اگر مغموم ہے !!
کر دیا اس کو بصیرت نے خموش! ۔ اب تو اکبر کی نظر کی دھوم ہے !!

ایضاً

ہمیں چمکیں ہیں ابھریں عبث در پے ہوس نکلے ۔ کرو حمد خدا سمجھو خدا چمکا تو ہم چمکے
ہیں مست بادۂ عبرت ہوا ہوں اس تصور سے ۔ کہ دو ذرے بھی اب اک جا نہیں ہیں یا غروجم کے

رباعی

دل شکستہ ہیں ایمان رہ سکے تو رہے
اجاڑ گھر میں یہ مہمان رہ سکے تو رہے
دل ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب
اگر زبان مسلمان رہ سکے تو رہے !

ایضاً

ہمہ تن درد کا مضمون ہوا جاتا ہے
حالت ایسی ہے کہ دل خون ہوا جاتا ہے
اتفاق امر مصیبت کو میں سمجھا تھا مگر
اب تو میرے لئے قانون ہوا جاتا ہے

ایضاً

رندی میں ذرا خوف بتوں کا نہ کریں گے
ڈرنا کبھی ہوگا تو خدا ہی سے ڈریں گے
اس حسن کے عاشق کو فنا ہو نہیں سکتی
جو آپ پہ مرتے ہیں وہ ہرگز نہ مریں گے

ایضاً

جائے تیری ہی محبت میں مجھے وہ جان دے
عیش و کلفت میں رہے محفوظ وہ ایمان دے
منتشر رہتا ہے مکروہات دنیا سے بہت
اس دل مضطر کو یا اللہ اطمینان دے

ایضاً

مہ نور سے سوا اُن کا رخ گلفام روشن ہے
یہی جلوے وہ ہیں جن سے خدا کا نام روشن ہے
مرے دل پر ہے شمع صبح کی افسردگی چھائی
ترا رخ زلف میں مثل چراغ شام روشن ہے

ایضاً

ہے تحت فلک میں جو زمین ہے !
دنیا اچھی جگہ نہیں ہے ! !
شک اس میں نہیں کہ ہے وہی وہ
ہم میں لیکن ہمیں ہمیں ہے ! !

ایضاً

سامنا ہر دم قیامت کا مجھے جینے میں ہے
کچھ نہ پوچھو کس قدر بے چین دل سینے میں ہے
کیا ثبات عمر بس اک جنبش فطرت کی دیر
زندگی کیا ہے فقط اک عکس آئینے میں ہے

ایضاً

پریس میں شیخ ہیں مسجد اجاڑ- ایوان خالی ہے
کتب خانہ بھرا جاتا ہے اور میدان خالی ہے
جو کچھ چاہیں سنائیں اور سمجھائیں مرے لیڈر
کہ ان روزوں ہے میری آنکھ بند اور کان خالی ہے

رباعی

معنی کی گرہ کہاں کھلی ہے ! !
ہر واہ کی تہ میں ہے یہاں آہ !
الفاظ ہی کی دکان کھلی ہے !
دم بند ہے اور زبان کھلی ہے !

ایضاً

جو انقلاب گذشتہ ہے اک کہانی ہے
اُلجھ کے دام حوادث میں آخرت کو نہ بھول
جو انقلاب کہ درپیش ہے وہ فانی ہے
جو جوش نصیب ہے اس نے یہ بات مانی ہے

ایضاً

اللہ کی تلاش جو ہو کھو بھی جائے !
بیداریٔ حواس ہے ظلمت کدہ میں بار
جو کہہ رہے ہیں آپ ہی ہو بھی جائے
افسانہ سن لیا ہے تو اب سو بھی جائے

ایضاً

فسانے رہ گئے وہ ہیں نہ اُن کا جاہ باقی ہے
مجھے دشوار ہے ان غافلوں کا ہم نوا ہونا
وہی دنیائے فانی ہے وہی اللہ باقی ہے
[illegible] سینے میں جب تک یہ دل آگاہ باقی ہے

ایضاً

وہ قبلہ رو ہیں جنہیں رو براہ ہونا ہے
جو آج ساکت و خائف ہیں ساتھ طاعت کے
بھٹک گئے ہیں وہ جن کو تباہ ہونا ہے
انہیں کو حشر میں سب پر گواہ ہونا ہے

ایضاً

ہیں مست اس مزے میں جو ہمنے چکھ لیا ہے
اغیار کے عمل کو ہونگے کچھ اور میدان
صراف کی نظر نے ہم کو پرکھ لیا ہے
ہمکو تو اب فلک نے کانچ پہ رکھ لیا ہے

ایضاً

دامن گل پھیل کر اس باغ سے کیا لیگئے
مردوں پر روتے نہیں روتے ہیں اپنے حال پر
ہو گئے نذر خزاں اور داغ حسرت دے گئے
رہ گیوں پر ہے مصیبت جو گئے اچھے گئے

ایضاً

شیخ صاحب آپ کو شیریں مقالی چاہئے
طعن میں غمزے میں بجوئی میں نہیں ہے بہتری
وعظ الفت چاہئے اور خوش خیالی چاہئے
مدعی نور حق کا ظرف عالی چاہئے

رباعی

پڑے ہیں بسترِ غم پر نہ دانا ہے نہ پانی ہے
نظر تک اٹھ نہیں سکتی یہ زورِ ناتوانی ہے
چمن کا رنگ جوشِ موسمِ گل میں معاذاللہ
خدا حافظ نگاہوں کا حسینوں کی جوانی ہے

ایضاً

ہمیں خدا کیلئے ہیں بیشک خدا ہمارے لئے نہیں ہے
تو قضا پہ راضی ہوں اور جنہیں ہم مفر ہی جب بھلے نہیں ہے
یہ طبع اکبر یہ رنگ اکبر یہ اسکی باتیں یہ اسکے نغمے
ادب کے قابل ہے اسکی مستی شراب اگرچہ پئے نہیں ہے

ایضاً

قرآن پڑھکے میری تو قائم ہوئی یہ رائے
صرف دعا رہو نہ آہا ہا نہ ہائے ہائے
گردن کشی کر بنگے عرب میں اب اونٹ بھی
اب تک تو ہند ہی میں بھڑکتی تھی بھینس گائے

ایضاً

محوِ اضافہ وہ بت کھیوٹ پرست ہے
کہتا ہے آخرت کا بھی بندوبست ہے
اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں
اوروں پہ اعتراض میں ہر وقت مست ہے

ایضاً

مرغی نے کہا خوب کسی کمپ میں لٹ کے
انڈا ہی اچھا ہے کہ بچا جیسے کھٹ کے
دیوارِ شکستہ نے ترقی کی دعا کی !!
گردوں کی عنایت سے سڑک بن گئی کٹ کے

ایضاً

دل اس کے ساتھ ہے کہ خدا جسکے ساتھ ہے
لیکن خبر نہیں کہ خدا کس کے ساتھ ہے
البتہ پیشِ چشم ہے قانونِ عافیت
جو نیک اور شریف ہے وہ اسکے ساتھ ہے

ایضاً

میزان نظر میں اپنی قوت تو لے !
خالی الفاظ کی دوکان کیوں کھولے
اللہ کو ہاں نے دلیلیں کیسی ! !
اکبر کو کہو کہ خود تو ثابت ہو لے !

ایضاً

آپ اکبر لاکھ مشقِ خوش کلامی کیجئے
کتنا ہی اظہارِ اعزازِ دوامی کیجئے !
دوستی کی آپ سے فرصت نہیں اس شوخ کو
یا کھسکئے سامنے سے یا غلامی کیجئے !

رباعی

ہندو کے اتفاق کو گنگا ہی گائے ہے
مرزا کے اتفاق کو مجلس کی ہائے ہے
البتہ شیخ جی کا کوئی مرکز اب نہیں
ہر پیر ہر جواں کی جداگانہ رائے ہے

ایضاً

یہی بحثیں رہیں سب ہیں وہ کیسے ہیں وہ کیسے تھے
یہی سنتے ہوئے گذری وہ ایسے ہیں وہ ایسے تھے
عمل اوروں ہی کے دیکھا کئے یہ ٹھیک یہ ہیں
ترقی خود نہ کی کچھ رہ گئے ویسے کہ جیسے تھے

ایضاً

جس نے یہ بات کسی اور طرح جانی ہے
اسکے نزدیک یہ بے شک ہے لاثانی ہے
جس نے اشعار ہی میں رنگ تصوف دیکھا
وہ بھی کہدیگا یہ اک رندیٔ روحانی ہے

ایضاً

کتنا ہی ذوق سخن ساز سخن ٹھیک کرے
کتنی ہی کوئی امر کی تحریک کرے
میں تو کہتا ہوں یہی اور کہونگا بھی یہی
بات وہ خوب جو اللہ سے نزدیک کرے

ایضاً

کب کہتا ہوں میں شیخ معزز نہ رہیں گے
البتہ یہ ہے خوف کہ مرکز نہ رہیں گے
سچ کہتا تھا معمار کسی وقت میں اکبر
اٹھا دو فٹہ اب یہ مرے گز نہ رہیں گے

ایضاً

مادہ سب میں یہ ہوا اک خیال خام ہے
اک مذاق طبع ہے جس کا تصوف نام ہے
وہ تو ہے معذور جسکے دل میں اس کا ذوق ہو
اس سے خالی جس کا دل ہو اس پہ کیا الزام ہے

ایضاً

تعلیموں کو طبیعت ریجکٹ[1] کرتی ہے
جو دل شکستہ ہیں ان کو سلکٹ[2] کرتی ہے
ملا ہوں خاک میں خود اس سبب میری نظر
گرا کے قصر بگولے ارکٹ[3] کرتی ہے

ایضاً

منکر کے خیال میں پریشانی ہے!
اس کا منشا فقط ہوس رانی ہے!
دنیا فانی ہے وہ کبھی ہے اس کا مقر
لیکن نہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہے

[1] انگریزی لفظ Reject بمعنی رد کرنا
[2] لفظ Select منتخب کرنا
[3] لفظ Erect بمعنی تعمیر کرنا

رباعی

روشن سینے میں شمع ایمان کر دے — دل تیری طرف رہے وہ سامان کر دے
دنیا سے ہو بے خبر ترے شوق میں روح — یارب اکبر پہ زیست آسان کر دے

ایضاً

اک روز بھی تارک تگ و دو نہ ہوئے — فارغ از بحث گندم و جو نہ ہوئے
جمعیت دل کہاں حریصوں کو نصیب — ننانوے ۹۹ ہی رہے کبھی سو نہ ہوئے

ایضاً

ہر اک سے سنا نیا فسانہ ہم نے! — دیکھا دنیا میں اک زمانہ ہم نے
اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز — آخر یہ کھلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

ایضاً

ظاہر تری رحمت نہفتہ ہو جائے — بیدار ہمارا بخت خفتہ ہو جائے
کمھلایا ہوا ہے دل ہمارا یارب — بھیج ایسی ہوا کہ وہ شگفتہ ہو جائے

ایضاً

ہر ساعت رحمت بستہ دنیا میں رہے — مغموم و ملول و خستہ دنیا میں رہے
عاشورہ ہے ہر روز میں از قتل حسین — مومن اب دل شکستہ دنیا میں رہے

ایضاً

دیکھا قدرت کا کارخانہ ہم نے — علمی طاقت کو پست جانا ہم نے!
ازبسکہ ضرور تھا کوئی طرز عمل! — نبیوں نے جو کچھ کہا وہ مانا ہم نے!

ایضاً

لفظوں میں اجتماع نہ معنیٰ میں نور ہے — ویران آج کوچہ بین السطور ہے!
شبلی کا خامہ صفحہ ہستی سے اُٹھ گیا — اب مدِ آہ و لوح دلِ ناصبور ہے!

ایضاً

پہلے کام اپنا پالیسی کرتی ہے! — ہمدردی طبع بے حسی کرتی ہے
تنگی ہوتی ہے بہت خلقت پر — فطرت خود اُٹھ کے ثالثی کرتی ہے

رباعی

نہ میرے لئے اور نہ تیرے لئے ! نہ اشعار یہ ہیں صلے کے لئے !
بہت خوب ہے قول ہادی عزیز ! کہ میں شعر کہتا ہوں اپنے لئے !

ایضاً

اللہ کی تلاش جو ہو کھو بھی جائے جو آپ کہہ رہے ہیں یہی ہو بھی جائے
بیداری حواس ہے ظلمت کدے میں بار افسانہ سن لیا ہے تو اب سو بھی جائے

ایضاً

اثر کی امید کچھ نہیں ہے اس سے شوق فغاں نہیں ہے فلک کے سینے میں دل نہیں ہے ہمارے منہ میں زباں نہیں ہے
شکستہ قبروں کو دیکھتا ہوں ورق اُلٹتا ہوں ہسٹری کے نشاں اگر ہے تو نام گم ہے جو نام ہے تو نشاں نہیں ہے

ایضاً

میرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ ٹوٹا ہے خدا ہی اُنسے سمجھیگا خدا کے گھر کو لوٹا ہے
تیرے کوچے میں دل نالاں اگر ہے دین سے چھٹکر تعجب کیا ہے اس میں بت توں کا ساتھ چھوٹا ہے

ایضاً

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے ! جان ہارینگے جی نہ ہاریں گے !
مبتلائے بلا تو ہوں غافل ! یہ بھی اللہ کو پکاریں گے !

ایضاً

پیدا جو ہوئے یہ غل مچانے والے دل ان کا نہیں ہیں ہم بڑھانے والے
لیکن یہ ادب کرینگے یہ عرض کہ ہیں اس فن کے حضور ہی سکھانے والے

ایضاً

جو ابر شب پہ چڑھے تو ایسے کہ بس ہیں ہی خدا نہیں ہے جو ابر شب پہ گرے تو ایسے کہ لاش کا بھی پتا نہیں ہے
حیات دنیا کو آیتوں میں خدا نے لعو لعب بتایا کسی کو ہو کچھ تامل اس میں ہمیں تو شبہ ذرا نہیں ہے

تمام شد

(اسلامیہ سٹیم پریس لاہور لکید دروازہ میں باہتمام مولوی عبدالرشید منیجر چھپی)

گنجینہ ہدایت ترجمہ اردو کیمیائے سعادت

مصنف حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ معہ سوانحعمری امام صاحب موصوف
از مشہور مورخ اسلام شمس العلما مولانا شبلی نعمانی مرحوم

یہ تصنیف حضرت امام غزالی رحمت اللہ علیہ کی اس قدر مشہور و معروف ہے۔ کہ کسی تعریف و توصیف کی محتاج نہیں۔ خوبی اس کتاب مستطاب کی فہرست مضامین سے ظاہر ہے۔ جو بوجہ عدم گنجائش مختصراً درج ذیل ہے۔ پوری فہرست مضامین کے لئے ایسے ہی آٹھ صفحے چاہئیں۔ ترجمہ نہایت صحیح و مستند بامحاورہ سہل و سادہ ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے والے حضرات تاکہ امام صاحب کے حالات والاصفات سے بے خبر نہ رہیں امام صاحب کی سوانح عمری از شمس العلما مولنا شبلی مرحوم کتاب کے شروع میں لگا دی گئی ہے جس سے عمدہ صحیح ترین اور بہترین اور کوئی حالات نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں لکھائی چھپائی کاغذ نہایت اعلٰے۔ مگر قیمت صرف ہے ۸ر

مختصر فہرست مضامین کتاب گنجینہ ہدایت ترجمہ اردو کیمیائے سعادت: مضمون مضمون

پہلی اصل کھانا کھانے کے اداب ہیں ۔
دوسری اصل ۔ نکاح کے اداب ہیں اس میں کئی
باب اور فصلیں ہیں ۔
تیسری اصل کسب و تجارت کے آداب ہیں ۔ اس
میں کئی باب اور فصلیں ہیں
چوتھی اصل حلال وحرام اور شبہ کی پہچان کے
بیان ہیں اس میں کئی باب اور فصلیں ہیں ۔
پانچویں اصل خلق کے ساتھ حق صحبت ادا کرنے
اور عزیزوں ۔ ہمسایوں ۔ لونڈی غلاموں کے حقوق
نگاہ رکھنے کے بیان میں اسمیں کئی باب اور فصلیں ہیں
چھٹی اصل عزلت کے اداب ہیں ۔
ساتویں اصل سفر کے اداب ہیں ۔ اسمیں کئی باب اور فصلیں ہیں
آٹھویں اصل سماع وجد کے اداب اور اس چیز کے بیان
میں جو اسمیں حلال وحرام ہے ۔ اسمیں کئی باب
اور فصلیں ہیں ۔
نویں اصل ۔ امر معروف اور نہی منکر کے بیان میں
اس میں کئی فصلیں ہیں ۔
دسویں اصل رعیت کی نگہبانی اور حکمرانی کے بیان میں
تیسرا رکن ۔ مہلکات کے بیان میں ۔ اس
کی دس اصلیں ہیں ۔
پہلی اصل ۔ نفس کی ریاضت اور برے اخلاق سے پاک و
صاف ہونے کے بیان میں اسمیں کئی فصلیں ہیں ۔
دوسری اصل شہوت شکم اور شہوت فرج اور ان
دونوں کی حرص توڑنے کے علاج میں ۔
تیسری اصل ۔ باتوں کی حرص کے علاج اور زبانکی
آفتوں کے بیان میں ۔ اس میں کئی فصلیں ہیں ۔
چوتھی اصل غصہ حسد بغض اور انکے علاج کے بیان میں
اس میں کئی فصلیں ہیں ۔
پانچویں اصل ۔ دنیا کی دوستی کے بیان میں اور اس بیان
میں کہ دنیا کی دوستی سارے گناہوں کی جڑ ہے ۔

ظاہر کرنا دنیا کی برائی کا حدیثوں کی رو سے
چھٹی اصل مال کی دوستی کا علاج اور بخل و حرص کی آفت
اور سخاوت کی تعریف میں ۔ اسمیں کئی فصلیں ہیں ۔
ساتویں اصل ۔ جاہ و حشمت کی دوستی کے علاج اور اسکی
آفتوں کے بیان میں ۔ اس میں کئی فصلیں ہیں ۔
آٹھویں اصل ریا کے علاج میں جو عبادتوں اور طاعتوں
میں پیدا ہوا ۔ اس میں کئی فصلیں ہیں
نویں اصل ۔ کبر اور عجب کے علاج کے بیان میں ۔
دسویں اصل غفلت ۔ گمراہی اور غرور کے علاج میں
چوتھا رکن ۔ منجیات کے بیان میں اس کی دس
اصلیں ہیں ۔
پہلی اصل ۔ توبہ کے بیان میں اس میں کئی فصلیں ہیں
دوسری اصل منجیات سے صبر و شکر کے بیان میں
اس میں کئی فصلیں ہیں ۔
تیسری اصل خوف و رجا کے بیان میں ۔ اس میں
کئی فصلیں ہیں ۔
چوتھی اصل ۔ رکن منجیات سے فقر اور زہد کے
بیان میں ۔ اس میں کئی فصلیں
پانچویں اصل ۔ رکن منجیات سے نیت صدق اور
اخلاص کے بیان میں اس میں کئی باب اور فصلیں ہیں
چھٹی اصل ۔ محاسبہ اور مراقبہ کے بیان میں ۔
اس میں بھی کئی فصلیں ہیں ۔
ساتویں اصل تفکر کے بیان میں تفکر کی حقیقت ۔
آٹھویں اصل توکل کے بیان میں اس میں کئی فصلیں ہیں
نویں اصل ۔ محبت ۔ شوق اور رضا کے بیان میں
اس کی آگے چار اصلیں اور کئی فصلیں ہیں ۔
دسویں اصل ۔ موت کے یاد کرنے کے بیان
میں ۔ اس میں کئی فصلیں ہیں ۔
وغیرہ وغیرہ

المشتہران ۔ شیخ جان محمد اللہ بخش تاجران کتب لاہور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] قیمت صرف [illegible]

[illegible] گلدستہ حضرت حسان [illegible] یعنی [illegible]

[illegible] مولانا [illegible] حضرت [illegible] صاحب [illegible]

نعت نبی صلعم کے لئے وقف کر دی۔ اور اس صنف میں سب سے زیادہ سبقت لے گئے [illegible]

خدمت میں آپکے ہاں والے قصیدہ مدیح خیر المرسلین کے علاوہ جس نے مولانا کے تمام

کلام میں سب سے زیادہ شہرت پائی ہے۔ وہ مشہور [illegible] نظم بھی درج ہے۔ جو نظم دل افروز

کے نام سے موسوم ہے اور جس پر کئی ایک تخمیس اور تضمینیں لکھی جا چکی ہیں۔ اور جو آپ کے کسی

دیگر تاجر کے طبع شدہ گلدستہ میں درج نہیں۔ نظم دل افروز خصوصیت کے ساتھ اس معاملہ

میں فرد ہے کہ اس میں کوئی فقرہ ایسا نہیں ہے جسکی قرآن مجید اور حدیث شریف سے

سند نہ ہو۔ چنانچہ نظم دل افروز میں خود لکھتے ہیں

سب بیچ ہوئے قرآن کا یہ سخن ہیں [illegible] کوئی حرف غلط آئے نہ ہو [illegible]

علاوہ ازیں کاغذ لکھائی چھپائی اعلےٰ قیمت صرف ۵ر

پنج گنج حالی یہ مجموعہ مولانا خواجہ پانی پتی مرحوم کی پانچ تصنیفات کا ہے (۱) مثنوی کلمتہ الحق

(۲) مثنوی نشاط امید (۳) مثنوی تعصب وانصاف (۴) مثنوی حب وطن (۵) ترکیب بند

مسلمانوں کی تعلیم۔ مصنف صاحب موصوف نے اس پنج گنج کے ذریعہ نوجوانان ملک و ملت کو

ایسی مفید مطلب اور موجودہ پستی سے نکال کر بام ترقی پر پہنچانیوالی پند و نصائح کی ہیں جنکو

پڑھکر بے اختیار مولانا موصوف کے حق میں دعائے خیر نکلتی ہے۔ اور اس بات کا پتہ چلتا ہے

کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کے دل میں ملک و ملت کا درد کیسا کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ جو ہر رنگ

کی نظم میں ظاہر ہو کر رہا۔ اگر ایک طرف اس قائد القوم نے مسدس مد و جزر اسلام لکھکر تمام

قوم کی سب سے بڑی خدمت کی ہے۔ تو دوسری طرف اس پنج گنج کے ذریعہ سے بھی کچھ کم خدمت نہیں کی۔

پڑھئے اور فائدہ اٹھائیے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اعلےٰ قیمت صرف ۳ر

[illegible] شیخ جان محمد اللہ بخش تاجران کتب لاہور - بنگلہ ایوب شاہ

تحفۃ السالکین ترجمہ اردو ارشاد الطالبین

(مصنفہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ کتاب مستطاب مفید ہر شیخ و شاب حضرت کی مشہور و معروف تصنیفات سے ہے جسکو حضرت نے اسلئے لکھا تھا کہ لوگ ولایت کی حقیقت معلوم کریں۔ اور اس میں افراط و تفریط اور گناہ سمجھیں۔ اور اصحاب اہل طریقت منزل مقصود کو پہنچیں۔ خوبی اس کتاب لاجواب کی فہرست مضامین سے ظاہر ہے۔ جو عدم گنجائش کے باعث مختصر اً درج ذیل ہے کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ

مختصر فہرست مضامین کتاب مستطاب اسلئے یہ تحفۃ السالکین ترجمہ اردو ارشاد الطالبین!

مضمون

مقام اول۔ ولایت کا ثبوت اور اسکے متعلقات کا بیان

پہلی فصل۔ ولایت کا ثبوت۔

دوسری فصل۔ ولایت کی تحقیق

تیسری فصل۔ خوارق عادات کا بیان

صوفی کا قلب بالطبع حرام سے متنفر ہوتا ہے۔

مسئلہ اولیاء اللہ کا کشف اور الہام علم ظنی کا موجب ہے

کشف اور الہام پر عمل کرنا جائز ہے۔

مسئلہ کشف۔ الہام۔ احادیث آحاد۔ قیاس جامع شرائط کا [illegible]

[illegible] کے کشف میں غلطی کا احتمال زیادہ ہے

[illegible] خدا تعالیٰ کی طرف ایک نسبت ہے

[illegible]

[illegible] کے آداب کا بیان

[illegible]

مضمون

مسئلہ۔ زیارت قبور کے وقت سنت کیا ہے۔

مسئلہ پیغمبر خدا اور اولیاء کرام کے مقابر کی زیارت کا طریقہ

مقام سوم سالکوں اور مرشد کے آداب کا بیان

فصل اول سالکوں کو بھی طلب مرید لازم ہے

مسئلہ ولی کامل کو چاہئے کہ لوگوں کو اپنے فیض کی طرف توجہ دلائے

مسئلہ ولایت اور ارشاد کا جھوٹا دعویٰ کرنا لاشیطان ہے

فصل دوم شیخ کا مرید سے سلوک کا بیان

مسئلہ شیخ کو چاہئے کہ طریقہ کو بیان کریں پوری دلچسپی سے

مسئلہ مسند نشین پیر کو چاہئے کہ [illegible]

مقام چہارم۔ قرب الٰہی کے اسباب اور اسکی ترقی کا بیان

فصل آفاقی اور نفسی سیر کا بیان۔

فصل عبادات کی ہر کتاب کا بیان

فصل شیخ کی تاثیر کا بیان

مسئلہ [illegible] کا اصل [illegible]

مسئلہ [illegible] کا بیان [illegible]

مسئلہ اجتبا اور ہدایت میں فرق

مسئلہ جذب [illegible] ہوتا ہے

فائدہ [illegible] کی ترقی [illegible]

فصل [illegible] کا بیان

[illegible]

مقام پنجم۔ مقامات قرب الٰہی کا بیان

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا بیان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شیخ جان محمد اللہ [illegible]